Naya Kashmir

نیا کشمیر

Shams Kashmiri

شمس کاشمیری

کاشر پبلی کیشنز
عبداللہ چیمبرز، جی ٹی روڈ، گوجرانوالہ

انتساب

یہ کتاب میں کشمیر کی اس سرزمین سے
منسوب کرنا چاہتا ہوں۔ جس کی محبت میرے
رگ وپے میں سمائی ہوئی ہے۔

شمس کاشمیری

پہلا ایڈیشن ______ ستمبر ۱۹۹۱ء
تعداد ______ ۱۰۰۰
پریس ______ گنج شکر پرنٹرز لاہور
ناشر ______ کاشر پبلی کیشنز
قیمت ______ ۵۰ روپے

فہرست

تعارف

از ـــــــــ جان کاشمیری

جناب شمس کاشمیری سے دس سالہ پرانے دوستانہ اور برادرانہ مراسم ہیں۔ اس عرصہ کے دوران بے شمار ملاقاتیں ہوئیں۔ ان ملاقاتوں میں کیا کیا موضوعات زیرِ بحث آتے کن کن احساسات نے انگڑائی لی۔ اس بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ حافظے کی تختی پر اتنا محفوظ ہے کہ ہر ملاقات میں جو چیز زیرِ بحث آئی۔ کشمیر، اس کی تاریخ اور اس کے سیاسی حل کے تقاضے تھے۔ کبھی معاشرتی، کبھی معاشی، کبھی سیاسی اور کبھی بین الاقوامی تناظر میں تذکرہ ہوتا۔ بلکہ باتوں باتوں میں اس امر پر خوشگوار حیرت ہوتی کہ شمس صاحب مسئلہ کشمیر کی تاریخ سے بمعہ جزئیات مکمل طور پر آگاہ ہیں۔ اس سلسلہ میں حوالہ جات کی نشان دہی کرتے ہوئے اپنا موقف جرأت، بے باکی اور دو ٹوک انداز میں یوں بیان کرتے۔ کہ جیسے کشمیر، گلوب کی مجسّم صورت میں اُن کی میز پر پڑا ہو۔ جسے الٹا گھما کر صد فیصد درست اور یقین کامل سے اظہارِ خیال کر رہے ہوں یا پھر موصوف کی کیفیت کسی فاتح سپہ سالار سی ہوتی جو مفتوحہ علاقے کے چپے چپے سے واقف ہو۔ مزید اطمینان کا یہ پہلو نکلتا کہ ان کے اس جذبۂ محبت اور آتشِ حریت میں دنیاوی منفعت کا دور دور تک شائبہ نہ ہوتا۔

جو اُن کے سچے اور پکے کشمیری ہوتے کے ساتھ روح تک کشمیری ہونے کی دلیل ہے ان کی ذات کی یہی مقناطیسی کشش ہے۔ جس کے طفیل میں ان کی طرف لمحہ بہ لمحہ کھنچتا چلا گیا۔ آخر کار واقفیت دوستی اور دوستی بھائی جیسے مقدس رشتے میں تبدیل ہو گئی۔

اس سے پہلے شمس کاشمیری کی چار کتب "چودہ طبق"، "جہلم سے عرفات تک"، "سرینگر ۵۷ میل" اور "پیر پنجال" بالترتیب شائع ہو چکی ہیں۔ پہلی دو کتابیں "چودہ طبق" اور "جہلم سے عرفات تک" کا بظاہر سرزمینِ کشمیر سے کوئی ناطہ نظر نہیں آتا۔ ایک ارضِ طیبہ کا سفرنامہ ہے اور دوسری یعنی "چودہ طبق" کا دائرہ کار طنز و مزاح کی ذیل میں آتا ہے لیکن اگر بہ نگاہِ عمیق دیکھا جائے تو یہ حقیقت بارش کے بعد دھنک کی طرح کھل کر اور کھل کر سامنے آئے گی کہ چاروں کتابیں ایک ہی مالا کے خوشبودار پھول ہیں۔ ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ ایک ہی سیدھ میں نصب کئے ہوئے سنگِ میل ہیں۔ ایک ہی ہیرے سے چھن چھن کر نکلنے والی روشنی کے مختلف روپ ہیں۔ ایک ہی لگن کے انداز ہیں۔ ایک ہی دل کے احساس پارے ہیں۔ ان سب کا مرکز و محور کشمیری حریت پسندوں کے جذبۂ حریت میں پوشیدہ ہے۔ وہ اس طرح کہ موصوف نے "چودہ طبق" (یاد رہے کہ اس کتاب میں پاکستان کے چودہ بڑے محکموں کے حصولِ رشوت کے فارمولوں پر دلدوز انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے) تحریر کی تو اس کے پس منظر میں اس سوچ کا پاک توح شامل ہے کہ کشمیر کی آزادی کے بعد اس میں "چودہ طبق" کی آلائشوں کا عمل دخل نہیں ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں غیر مکتوبی طریق میں معاشی، معاشرتی، سیاسی اور ریاستی اعتبار سے

اُس مثالی رہن سہن کی طرف اشارہ کیا گیا۔ جو وہ کشمیر کی حدود میں دیکھنا چاہتے ہیں جب "جہلم سے عرفات تک" لکھی تو کشمیر میں مثالی رہن سہن میں ایک تو اسلام کی روح پھونکنی مقصود تھی۔ دوسرے خدا اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس کی منظوری درکار تھی۔ میرا پختہ یقین ہے کہ جب شمس کاشمیری نے ارضِ مقدس پر قدم رکھا ہوگا تو اُن کی روح کشمیر کی آزادی کے لئے مجسم دعا بن گئی ہوگی۔ کیونکہ میرا ایمان ہے کہ خدا کی ذات جس انسان سے جو کام لینا چاہے۔ حالات خود بخود اُس کے حق میں ہو جاتے ہیں۔ بعد ازاں یکے بعد دیگرے "سری نگر ۵۷ میل" اور "پیر پنجال" کا آنا اس امر کی مکتوبی شہادت ہے۔ کہ مثالی رہن سہن کو خطۂ کشمیر میں دیکھنا مقصود ہے۔

میرے زاویۂ نگاہ کی روشنی میں دیکھا جائے۔ تو چاروں کتابیں کسی مردِ مجاہد کی میدانِ کارزار میں اترنے سے پہلے کی تیاریاں ہیں۔ کسی دیوانے کے راستے کے سنگِ میل ہیں۔ جن کے توسط سے وہ منزلِ مقصود حاصل کرتا ہے۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ سیڑھی کے ایسے زینے ہیں جن کے ذریعہ بامِ مراد تک پہنچا جا سکتا ہے۔ شمس صاحب کسی ماہر جنگ و جدل کی طرح جھکنے کے لئے نہیں اپنی جملہ صلاحیتوں کو مجتمع کرنے کی غرض سے رکتے ہیں۔ تاکہ دشمن پر کاری ضرب لگائی جا سکے۔ وہ چند ساعتیں گہری سوچ میں غرق ہوتے ہیں مگر عقاب کی مانند شکار پر جھپٹنے کے لئے۔ چنانچہ اگر میں کہوں کہ "چودہ طبق" اور "جہلم سے عرفات تک" جنگ کی حکمتِ عملی کا خاکہ ہے۔ تو غلط نہ ہوگا۔ پھر "سری نگر ۵۷ میل" کے جہاد سے پہلا وار کیا گیا۔ کہ دشمن کا اندازہ لگایا جا سکے

کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ "پیر پنجال" "سری نگر ۵، میل اور "نیا کشمیر" (نئی کتاب) کے درمیان میں وہ عرصہ ہے جس میں اپنی طاقت کو از سرِ نو منظم کیا گیا

زیرِ نظر کتاب "نیا کشمیر" اعلانِ جنگ کے مترادف ہے

جس میں مسئلہ کشمیر کو پرانی قراردادوں اور مختلف ادوار میں ہونے والے معاہدوں کو بھول کر آج کے لمحہ بہ لمحہ تغیر پذیر حالات کی روشنی میں حل کرنے پر پُر تاثیر اور مدلل انداز میں بحث کی گئی ہے۔ اسلامی دنیا کی اہمیت کے احساس کو جگایا گیا ہے۔ ہندو بنیئے کے سازشی ذہن کی سازشوں کو طشت ازبام کیا گیا۔ اور کشمیر میں بھارت کی روح فرسا مظالم کی تصویر کشی کر کے بین الاقوامی ضمیر کو جھنجھوڑ کر اصل چہروں سے نقاب کشائی کی گئی ہے۔ اس کتاب کا صدر نکتہ کشمیر کے الحاقِ پاکستان کی افادیت کی وضاحت میں پنہاں ہے کو کھل کر بیان کیا گیا ہے۔ کہ کشمیر کا پاکستان کے ساتھ الحاق کیوں لازمی ہے اور پاکستان کشمیر کے بغیر کرۂ ارض پر کس حالت میں زندہ رہے گا۔ اور خود مختار کشمیر کی صورت میں کیا کیا فوری نقصانات ہو سکتے ہیں۔ اور کشمیر کو بھارت سے الحاق کرنے میں مسلمانوں پر کیسے کیسے مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ شمس کاشمیری نے اس کتاب کی شکل میں کشمیر کے حوالے سے ذہنوں میں مچلنے والے متوقع اور غیر متوقع جملہ سوالات کے جوابات اتنے مدلل اور دندان شکن دیئے ہیں کہ ہر پڑھنے والا عش عش کر اٹھے گا۔

محلِ وقوع

کشمیر دنیا کے بلند ترین سلسلہ ہائے کوہ قراقرم، ہمالیہ اور اُن سے ذرا کم پہاڑوں کے سلسلے پیر پنجال میں واقع ایک ایسا ملک ہے جو سارے کا سارا بلند سطح مرتفع پر واقع ہے۔ ماسوائے وادیٔ کشمیر کے اور دیگر چند چھوٹی چھوٹی وادیوں کے کشمیر کی سرزمین کی سطح سمندر سے ۸۰۰ فٹ سے لیکر ۲۸۲۵۰ فٹ تک بلند ہے۔ اس میں ہر قسم کا موسم اپنی شدت کے ساتھ موجود ہے۔ جموں کٹھوعہ اور میرپور میں موسم گرمیوں میں شدید گرم ہوتا ہے۔ تو چھ ہزار سے زیادہ بلند علاقوں کا موسم سردیوں میں شدید سرد جس میں ماسوائے برف کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ دنیا کے سب سے بڑے گلیشئر بھی کشمیر میں واقع ہیں۔ جن کی بلندی بیس ہزار فٹ سے چوبیس پچیس ہزار فٹ تک ہے اور اُن پر سارا سال برف جمی رہتی ہے۔ دنیا کی بلند ترین چوٹیاں بھی کشمیر میں اس کثرت سے ہیں جتنی کسی اور ملک میں نہیں۔ ان میں کے ٹو، نانگا پربت، راکاپوشی، گیشر بروم اور ماشر بروم زیادہ مشہور ہیں۔ کشمیر کی شمالی اور شمال مشرقی سمت میں چین، جنوب مشرقی سمت میں بھارت، مغربی اور جنوبی سمت میں پاکستان، شمالی جنوب میں افغانستان کی دس میل چوڑی ایک پٹی ہے۔ جس کے پیچھے روس موجود ہے۔ اس طرح سے یہ علاقہ دنیا کے حساس ترین

خطے میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً چھیاسی ہزار مربع میل ہے۔ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی چالیس لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ اب اس کی آبادی تقریباً ایک کروڑ بیس لاکھ کے قریب ہوگی۔ جس میں مقبوضہ کشمیر، آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات گلگت و بلتستان اور پاکستان میں مقیم تقریباً دس لاکھ مہاجرین بھی شامل ہیں۔ کشمیر اس وقت تین ملکوں کے زیرِ اثر ہے۔ لداخ کا تقریباً ۱۲۵۰۰ میل رقبہ چین نے بھارت سے چھین لیا تھا۔ جس میں آبادی بہت کم ہے۔ چین نے سنکیانگ کو تبت سے ملانے والی سڑک اس علاقے سے گزاری ہے جس کا ذکر ہم شاید چین سے دوستی کی وجہ سے نہیں کرتے۔ اور بھارت کے لئے اس کی ویسے ہی کوئی اہمیت نہیں۔ بھارت کے زیرِ علاقہ تین ڈویژنوں میں تقسیم شدہ ہے۔ جموں، کشمیر اور لداخ۔ جموں اور کشمیر کے ڈویژنوں میں چھ چھ ضلع ہیں جبکہ لداخ میں دو اضلاع ہیں۔ جموں میں کٹھوعہ، جموں، اودھم پور، ڈوڈہ، راجوری اور پونچھ کے اضلاع واقع ہیں۔ جبکہ کشمیر میں اسلام آباد، سری نگر، پلوامہ، بڈگام، کپواڑہ اور بارہ مولہ کے اضلاع ہیں۔ اور لداخ میں لیہ اور کرگل کے دو اضلاع موجود ہیں۔ جموں کے تین اضلاع یعنی کٹھوعہ، جموں اور اودھم پور میں ہندو اکثریت میں ہیں۔ جبکہ ڈوڈہ، راجوری اور پونچھ میں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ وادی میں مسلم واضح اکثریت میں ہیں۔ بس چند ہی غیر مسلم لوگ ہیں۔ جبکہ لداخ کے ضلع لیہ میں بودھ اکثریت میں ہیں۔ اور کرگل میں مسلمان۔ مجموعی طور پر جموں ڈویژن میں ہندو اکثریت میں ہیں۔ جبکہ لداخ میں بودھ اور کشمیر میں مسلمان۔ رقبہ کے لحاظ سے وادی کشمیر ان سب میں سے چھوٹا علاقہ ہے۔ لیکن آبادی سب سے زیادہ ہے۔ اور خوبصورتی کی وجہ سے تو جنت نظیر ہے۔ ساڑھے پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع یہ وادی تقریباً اسی

میل لمبی اور بیس سے تیس میل تک چوڑی ہے۔ دنیا میں اتنی بلندی پر اتنے رقبے کا کوئی اور میدان نہیں ہے۔ اور قدرتی حسن میں تو یہ اپنی مثال آپ ہی ہے ہر طرف بکھرے ہوئے خودرو خوبصورت رنگ برنگے پھول، سرسبز و شاداب درخت اور اُن میں سے نکلتے ہوئے ٹھنڈے اور شفاف پانی کے چشمے ندی نالے اور دریا اور ان کے کناروں پر بنے ہوئے خوبصورت تفریحی مقامات کا مقابلہ دنیا کا کوئی علاقہ قطعاً نہیں کر سکتا۔ قدرت نے اس سرزمین کو بناتے ہوتے ساری خوبصورتی اسے ہی عطا کر دی۔ لیکن اس کے مکینوں کی قسمت میں غلامی کی سیاہی لکھ دی۔ کہ صدیوں سے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ اور ابھی تک غلامی کا جوا اتارنے کی ان کی کوئی کوشش کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکی۔ لیکن امید ہے کہ اُن کی موجودہ تحریکِ آزادی ضرور کامیاب ہوگی۔ کیونکہ جذبے کی جس شدت سے اس میں تمام کشمیری مرد و زن، بزرگ و خورد شامل ہو گئے ہیں۔ وہ انہیں ضرور آزادی کی منزل تک پہنچا دے گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھارت کی غیر انسانی خصلت رکھنے والی غیر مہذب قوم کے شکنجے سے جلد از جلد نجات دلا کر آزادی کی منزل تک ضرور پہنچائے گا۔ کیونکہ کوئی قوم جب دل سے آزادی کی خواہش کر کے عملی اقدام کرتی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ کشمیر

کشمیر ایک ایسا ملک تھا۔ جس کی حیثیت منفرد تھی۔ سطح سمندر سے ۸۰۰ فٹ کی بلندی سے لے کر ۲۸۲۵۰ فٹ کی بلندی تک کے سطح مرتفع والے علاقوں اور اس میں چھوٹی بڑی میدانی وادیوں سے گھرے ہوئے اس ملک نے صدیوں اپنی علیحدہ حیثیت کو برقرار رکھا۔ اور اکثر اوقات میں اس کے دائرہ اختیار میں پنجاب اور سرحد کے بیشتر علاقے بھی رہے۔ دنیا کا یہ واحد ملک تھا جس کی تاریخ تحریری طور پر پچھلے چھ ہزار سال کا مکمل احاطہ کرتی ہے اور یہ علاقے کے باسیوں کی علمی، سیاسی اور معاشرتی برتری کی دلیل ہے۔ یہ ملک صدیوں تک امن و آشتی کا گہوارہ رہا حتیٰ کہ اس علاقے میں اسلام کا ظہور ہوا۔ اور یہاں کے لوگ اپنی امن پسندی کے باعث اسلام کے اچھے، انسانی حقوق کی پاسداری کرنے والے، اور انسان کی عزتِ نفس کی تکریم کرنے والے قوانین کی طرف مائل ہوتے گئے۔ اور بالآخر اسلام کی آغوش میں چلے گئے۔ ہندو مت کی مختلف فرقوں میں غیر فطری تفریق اور آپس کی منافرت سے بیزار کشمیری عوام نے اسلام کو بہت جلد قبول کر لیا۔ اور یہ علاقہ مسلم اکثریتی علاقے میں تبدیل ہو گیا۔

آزادی اور خود مختاری انسان کی ایک فطری جبلت ہے۔ جو بعض دفعہ غیر مناسب حالات کی وجہ سے مجبوراً دب تو سکتی ہے۔ لیکن انسان اُس سے مستقل طور پر دست بردار نہیں ہو سکتا۔ اور کشمیریوں میں یہ صفت دوسروں کی نسبت کچھ زیادہ ہی موجود ہے۔ اگر ظلم و ستم نے کچھ عرصے کے لئے نامناسب حالات پیدا کر کے اُن کی اس جبلت کو دبا بھی دیا ہے تو وقت آنے پر اس کا پھر کھل کر اظہار کیا ہے۔ چنانچہ مختلف اوقات میں کشمیریوں میں آزادی کی تحریکیں اس بات کی گواہی دیتی ہیں۔ کہ انہوں نے اپنے اس حق سے مکمل دست برداری اختیار نہیں کی۔ اور غلامی کے دور میں کشمیر سے اُن کی مختلف اوقات میں ملحقہ علاقوں میں ہجرت بھی اسی بات کا ثبوت ہے۔ کہ کمزور ہونے کی صورت میں بھی انہوں نے جبر برداشت نہیں کیا۔ اور اپنی خودداری کی پاسداری میں اپنے خوبصورت ملک کو بھی چھوڑ دینے سے گریز نہیں کیا۔

مسئلہ کشمیر دراصل اُس وقت پیدا ہو گیا تھا۔ جب کشمیر کے حکمران یوسف چک کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے ملک میں سنّی شیعہ منافرت پھیل گئی اور پھر بڑھتی ہی گئی۔ حتیٰ کہ ملک میں فسادات شروع ہو گئے۔ اور لوگوں کا جینا دوبھر ہوتا گیا۔ کشمیر میں کچھ لوگوں نے ایک وفد کی صورت میں مغل شہنشاہ کے دربار تک رسائی حاصل کی اور اُسے کشمیر پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ مغل تو مدّت سے کشمیر پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ لیکن اس وقت تک وہ کشمیریوں کی یکجہتی کے باعث کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کشمیر پر حملہ کر دیا۔ یوسف چک نے مقابلہ تو کیا۔ لیکن خانہ جنگی والے ملک بیرونی حملہ آوروں کا مقابلہ کیسے کر

سکتے ہیں۔ چنانچہ مغلوں کا کشمیر پر قبضہ ہوگیا۔ مغلوں کی فراخ دلی اور کشمیر میں تعمیرات کرانے میں ذاتی دلچسپی کی وجہ سے کشمیر کے لوگ مطمئن ہوگئے۔ اور اس طرح سے کشمیر ہندوستان کی وسیع سلطنت کا ایک حصہ بن گیا۔ یہاں تک کہ دونوں پر زوال آگیا۔ جب پنجاب میں سکھوں نے زور پکڑا تو وہ کشمیر پر بھی قابض ہوگئے۔ مسلمانوں نے سرحد اور کشمیر میں سکھوں کے خلاف جہاد شروع کیا۔ لیکن تقدیر کو یہ منظور نہ ہوا۔ یہ جدوجہد بالآخر بالاکوٹ کی شکست کے بعد دم توڑ گئی۔

جموں کی ڈوگرہ قوم کے تین بھائیوں نے اپنی خوبصورتی اور ہوشیاری کی بدولت پنجاب کے سکھ حکمران رنجیت سنگھ کے دربار میں خاصی رسائی حاصل کرلی اور اس کے منظورِ نظر بن گئے۔ کشمیر پر سکھوں کا قبضہ کرانے میں بھی انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور اس دوران لوٹ مار کر کے مال بھی جمع کرتے رہے۔ رنجیت سنگھ ان کی کارگزاری پر اتنا خوش تھا کہ اُس نے گلاب سنگھ کو جموں کی جاگیر بخش دی اور راجہ جموں کا خطاب دے دیا۔ لیکن جب انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کرلیا۔ اور سکھوں کو شکستِ فاش ہوئی۔ تو گلاب سنگھ اپنی عیاری کے باعث سکھوں سے علیحدہ ہوگیا اور انگریزوں سے روابط استوار کرلئے۔ اس طرح وہ کشمیر پر اپنی حکمرانی کے خواب دیکھنے لگا۔ انگریز جو برصغیر میں تجارت کی غرض سے آئے تھے۔ لیکن حالات کے تحت حکمران بن بیٹھے۔ ہر چیز کو تجارتی نظروں سے دیکھتے تھے۔ جنگ کی وجہ سے انہیں اخراجات کے لئے رقوم کی ضرورت تھی۔ چنانچہ انہوں نے سکھوں سے تاوان وصول کرنا چاہا۔ لیکن سکھ تو شکست کے بعد منتشر ہوچکے تھے۔ وہ اُن کا یہ مطالبہ کیسے پورا کرسکتے تھے۔ چنانچہ اس

موقع پر گلاب سنگھ نے انگریزوں سے اپنی لوٹ مار سے جمع شدہ پونجی سے کشمیر کا سودا کرلیا۔ کچھ رقم نقد اور کچھ ادھار پہ معاہدہ امرتسر کے تحت اس نے کشمیر کو انگریزوں سے خرید لیا۔ انسانوں کی انفرادی تجارت کرتے کرتے انگریز قوم نے بالآخر اپنی فطری جبلت اور لالچ کی وجہ سے ایک ملک ایک قوم کو پچھتر لاکھ نانک شاہی سکوں کے عوض درندہ ڈوگروں کے ہاتھ فروخت کردیا۔ اس وقت کشمیر کی آبادی پچیس سے تیس لاکھ کے قریب تھی۔ چنانچہ ہر کشمیری تقریباً تین نانک شاہی سکوں کے عوض فروخت ہوا۔ جن کی قیمت تین روپوں سے بھی خاصی کم بنتی تھی۔ اسی فروخت کے بابت علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ ؎ قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند

اس کے بعد تقریباً سو سال تک ڈوگرہ حکمرانوں کے تحت کشمیریوں پر جو بیتی ہے۔ اس سے ساری دنیا آگاہ ہے۔ انہوں نے اپنی صرف کردہ رقم کو لاکھوں سے ضرب دے کر کشمیریوں سے وصول کیا اور جبر و ظلم کے وہ حربے اختیار کئے۔ جو کسی قوم نے شائد ہی دیکھے ہوں۔ اور برداشت کئے ہوں۔ حتیٰ کہ انگریزوں کا ہندوستان سے رخصت کا وقت آگیا۔

جنگِ عظیم دوم کے خاتمے پر جب سلطنتِ برطانیہ اس قابل نہ رہی کہ ہندوستان پر اپنا اقتدار قائم رکھ سکے اور اُس کے لئے ہندوستان کو آزادی دینا ناگزیر ہوگیا۔ تو ہندو نے یہ محسوس کرلیا کہ مسلمانوں کے الگ وطن کے مطالبے کو بھی انگریز کسی طرح ٹال نہیں سکتے۔ چنانچہ انہوں نے ممکنہ تقسیم سے پیدا ہونے والی صورتِ حال سے نپٹنے کے لئے اپنا ایک الگ لائحہ عمل تیار کرلیا۔ کیونکہ وہ پاکستان کی تشکیل میں ہر ممکنہ رکاوٹ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ کانگرس کے مسلمان عہدے داروں کو اس تمام

کارروائیوں سے الگ رکھا گیا۔ ہندوستان میں سینکڑوں ریاستیں تھیں جن کا مستقبل بھی ظاہر ہے کہ ان دو بننے والی مملکتوں سے وابستہ ہونا تھا۔ حیدرآباد اور کشمیر ان ریاستوں میں بڑی تھیں۔ اور ان دونوں کی صورتِ حال ایک دوسری کے برعکس تھی۔ یعنی حیدرآباد میں حکمران اگر مسلمان تھا۔ تو رعایا میں اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ اور وہ بھارت میں شامل ہونے والے علاقوں میں بھی گھری ہوئی تھی اور کشمیر میں حکمران ہندو تھا۔ تو رعایا کی اکثریت مسلمان تھی۔ اور وہ پاکستان میں شامل ہونے والے علاقوں میں گھری ہوئی تھی۔ ان دونوں ریاستوں کے حکمران دراصل اپنی ریاستوں کو خودمختار ریاستیں بنانا چاہتے تھے اور اسی تگ ودو میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ کانگرس والے اپنے ملک میں کئی ملک کیسے بنانے کی اجازت دیتے۔ چنانچہ انہوں نے تمام ملحقہ ریاستوں کے علاوہ حیدرآباد اور کشمیر دونوں کو ہتھیانے کے منصوبے بنا رکھے تھے۔

بننے والی بھارتی حکومت کے لئے تمام انتظامی ڈھانچہ اور دفاتر چونکہ پہلے سے ہی موجود تھے۔ اس لئے حکومتی پالیسیوں کا جاری رہنا اُن کے لئے کوئی مشکل نہ تھا۔ اور پھر انگریز وائسرائے اُن کی پشت پر تھا۔ اور انہیں ہر سہولت پہنچانے پر تلا ہوا تھا۔ دوسری طرف حکومتِ پاکستان کے لئے بہت دشواریاں تھیں۔ انتظامی ڈھانچہ بھی نئے سرے سے تشکیل پانا تھا۔ دفاتر کے لئے عمارتیں تھیں نہ فرنیچر اور نہ آدمی حتیٰ کہ مسلمان فوج کے سپاہی بھی ملک سے باہر تھے۔ جنہیں پاکستان کا محافظ بننا تھا۔ پھر بنگال اور پنجاب کو تقسیم کرکے ہندو مسلم فسادات برپا کر دیئے گئے تھے۔ جن میں پاکستان کی نوزائیدہ مملکت کو الجھا دیا گیا تھا۔ ریڈکلف ایوارڈ کے تحت انگریزوں نے ہندوؤں کے

ساتھ مل کر سازش کے تحت ضلع گرداسپور کو پاکستان میں شامل کرنے کے بعد بھارت میں شامل کر دیا گیا تھا۔ صرف اس لئے کہ نہرو کشمیر پر قبضہ کر سکے۔ اُسے کشمیر سے ملحقہ علاقے سے زمینی اور مواصلاتی راستہ مہیا کیا گیا تھا۔ ان تمام کارروائیوں میں شیخ عبداللہ نہرو کا پوری طرح ہم نوا تھا۔ کیونکہ نہرو کی ایماء پر مسلم کانفرنس کو ختم کرکے کشمیر میں نیشنل کانفرنس کی بنیاد رکھنا اس سلسلے کی ہی کڑی تھی۔ اور نہرو نے کشمیر میں مداخلت کے لئے شیخ عبداللہ کو پوری طرح شیشے میں اتار رکھا تھا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ پاکستان میں مسلم لیگ کی ہم نوا مسلم کانفرنس کو ہی پذیرائی ہونا تھی۔ اور شیخ عبداللہ کے لئے اس میں کوئی گنجائش نہ تھی۔

بھارت کے انگریز گورنر جنرل ماؤنٹ بیٹن اور بھارتی ہندو قیادت نے مہاراجہ کشمیر پر پورا دباؤ ڈال رکھا تھا۔ مہاراجہ پاکستان کے ساتھ جوں کا توں معاہدہ کر چکا تھا۔ جس کے تحت ڈاک، تار، کرنسی اور آزادانہ تجارت اور خوراک کی بہم رسانی کی ذمہ داری پاکستان کو پوری کرنا تھی۔ ہندو راجے کے رجحان اور بھارتی سازشوں کے پیشِ نظر مسلم کانفرنس کے عمائدین نے پوری طرح محسوس کر لیا تھا۔ کہ بھارت کشمیر اپنے ساتھ ملانے کی پوری کوشش کرے گا۔ اس لئے انہوں نے تقسیم سے پہلے ہی ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو الحاقِ پاکستان کی قرارداد منظور کر لی اور مہاراجہ کشمیر کو انتباہ کیا کہ اُس نے اگر بھارت سے الحاق کی کوشش کی تو اُس کے خلاف مسلح بغاوت شروع کر دی جائے گی۔ اگر وہ اس قرارداد میں ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے معاہدہ امرتسر کی منسوخی کا بھی اعلان کر دیتے تو مہاراجہ کشمیر کے لئے کشمیر کا بھارت سے الحاق کی درخواست کرنے کا کوئی قانونی جواز نہ رہ جاتا (اس معاہدے کا ہم بعد میں ذکر کریں گے)

کشمیر میں بھارتی ہندو لیڈروں اور ماؤنٹ بیٹن کی دلچسپی نے کشمیر کے مسلم عوام پر یہ واضح کر دیا کہ کشمیر کو بھارت کی جھولی میں ڈالے جانے کی سازشیں ہو رہی ہیں۔ چنانچہ ریاستی فوج کے مسلمان افسران اور جوانوں نے مہاراجے سے بغاوت کا پروگرام بنا لیا اور ایک طرف گلگت، بلتستان میں بہادر اور جنگجو لوگوں نے ریاستی فوج کے خلاف بغاوت کر دی تو دوسری سمت پونچھ اور مظفر آباد کے مارشل ریس کے جنگجو قبائل مہاراجے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ صوبہ سرحد کے قبائلی پٹھانوں نے بھی اس وقت اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھا اور وہ مظفر آباد کے راستے کشمیر میں داخل ہو گئے۔ مہاراجے کی فوج بھاگتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ مجاہدین سری نگر کے نواح تک جا پہنچے۔ ادھر دہلی کے حکمرانوں نے مہاراجہ کشمیر پر دباؤ ڈالا کہ تمہاری ریاست تم سے چھن رہی ہے۔ اُس سے بھارت کے ساتھ الحاق کی درخواست لے لی۔ اور فوجیں تو انہوں نے پہلے سے تیار کر رکھی تھیں۔ فوراً ہوائی جہازوں کے ذریعہ فوج سری نگر کے ہوائی اڈے پر اتارنی شروع کر دی۔ قبائلی سری نگر کے میدانی اور دریاؤں، ندی نالوں اور جھیلوں کے پانی سے بھرے علاقوں میں جنگ کرنے کے طریقوں سے واقف نہ تھے۔ اس لئے سری نگر پر قبضہ کرنے میں انہیں کچھ دیر ہو گئی۔ جس سے بھارت کو سری نگر میں فوج اتارنے کا موقع مل گیا۔ اب ایک منظم فوج کا عوامی جتھوں سے مقابلہ تھا۔ جن کی آمد و رفت، رسل و رسائل خوراک اور اسلحہ کی ترسیل کا بھی صحیح بندوبست نہ تھا۔ پھر بھارتی فوج کو فضائیہ کی مدد بھی حاصل ہو گئی۔ اس لئے مجاہدین آہستہ آہستہ پسپا ہونے لگے اور بالآخر اوڑی اور چکوٹھی تک واپس آ گئے۔ بھارت نے کشمیر میں اپنی

فوجیں اتارنے کے ساتھ ہی شیخ عبداللہ کو جیل سے رہا کرا کے کشمیر کا منتظم اعلیٰ بنوا دیا۔ تاکہ عوام کے ذہنوں کا دھارا بھی بھارت کے حق میں پھیرا جا سکے۔ شیخ عبداللہ چونکہ اس سازش میں نہرو کے ساتھ شریک تھا۔ اُس نے مسلم عوامی امنگوں کے خلاف بھارت سے الحاق کی ہم نوائی کی اُس نے اپنی جماعت کے لوگوں کی ہر شخص اور ہر علاقے میں تعیناتی کرائی اور پاکستانی ذہن رکھنے والے کشمیری مسلمانوں کو گرفتار کرانا شروع کر دیا۔ نہرو نے کشمیر ویلی پر اپنا قبضہ مکمل کر لینے کے بعد اقوام متحدہ کی طرف رجوع کیا اور شور و غل کرا کے جنگ بندی کی قرارداد منظور کرائی۔ ادھر پاکستان کی نوزائیدہ مملکت کی فوج ابھی پوری طرح مجتمع بھی نہ ہوئی تھی۔ اور انگریز کمانڈر انچیف نے کشمیر میں بھارت کے مقابلے میں پاکستانی فوج بھیجنے کے حکم کو بھی ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اس طرح کی یہ سازش کامیاب ہو گئی اور جنگ بندی کے بعد کشمیر دو حصوں تقسیم ہو کر رہ گیا۔ پنڈت نہرو نے شیخ عبداللہ کو شروع سے ہی یہ جھکمہ دے رکھا تھا۔ کہ اگر ریاست پاکستان میں شامل ہو گئی تو وہاں پر اُس کی کوئی حیثیت نہ ہو گی۔ پاکستانی حکمران اُس سے اپنے نظریاتی اختلافات کی وجہ سے اُسے کوئی وقعت نہیں دیں گے۔ اس لئے اگر وہ کشمیر کو خود مختار رکھنا چاہتا ہے۔ تو پہلے ریاست کو پاکستان کے الحاق سے محفوظ رکھنے کے لئے بھارت سے اُس کا عارضی الحاق کرلے معاملات طے ہو جانے کے بعد بھارت کشمیر کو خود مختار کرانے میں شیخ عبداللہ کی پوری مدد کرے گا۔ شیخ عبداللہ کی معاونت سے جب بھارت نے کشمیر کے خاصے حصے پر کنٹرول حاصل کر لیا تو کشمیر اسمبلی سے قرارداد منظور کرا کے اُس کا بھارت سے عارضی الحاق کر لیا۔ اس طرح

سے بھارت کے منصوبے کا پہلا حصّہ مکمل ہو گیا۔ ادھر بھارتی آئین میں ایک دفعہ ۳۷۰ رکھی گئی۔ تاکہ شیخ عبداللہ اور دوسرے مسلم عوام کی تسلّی رہے۔ جس کے تحت کشمیر کی خصوصی حیثیت کو برقرار رکھا گیا۔ اور کشمیر کے حکمران کو وزیرِ اعظم کے نام سے پکارا جانا منظور کر لیا گیا۔ اقوام متحدہ میں کئے ہوئے وعدوں کی تجدید بھی پنڈت نہرو ایک مدّت تک کرتا رہا۔ جس کے تحت ریاست کے مستقل الحاق کیلئے اقوام متحدہ کی نگرانی میں رائے شماری کرانا تھا۔ جس میں کشمیری عوام کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ بھارت یا پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کیلئے اپنا حق استعمال کر سکیں گے لیکن یہ سب بھارت کی عیّاری تھی۔ وہ وقت ٹالنا چاہتے تھے۔ تاکہ اپنے باقی منصوبے پر پوری طرح عمل کر سکیں۔

پنجاب کی تقسیم کے بعد مسلم ہندو فسادات کی آگ جو پھیلی تو اُس سے جمّوں کا علاقہ بھی متاثر ہوا۔ ڈوگرہ ہندو مہاراجہ چونکہ جمّوں کے علاقہ سے تعلق رکھتا تھا اور جمّوں کے علاقے میں مسلم اکثریت زیادہ نہ تھی مہاراجہ نے پنجاب کی سکھ ریاستوں سے ہندو اور سکھ غنڈوں کو بلایا اور مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ مسلمانوں کو کیمپوں میں اکٹھا کر کے قتل کرایا اور بعد میں انہیں سیالکوٹ بھجوانے کے بہانے شہر سے باہر کے کیمپوں میں منتقل کرنے کے نام پر گاڑیاں بھر بھر کے قتل کرا دیا۔ جو ان فسادات سے بچ رہے انہیں سیالکوٹ کی سرحد کے ساتھ پاکستان منتقل ہونا پڑا۔ اس طرح سے جموں کا مسلم اکثریّت کا علاقہ اقلیت میں بدل گیا۔ چنانچہ اس کے بعد بھی بھارت کی یہ پالیسی رہی کہ کشمیر کی مسلم حیثیّت کو آہستہ آہستہ ختم کر دیا جائے۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۸۱ء تک کی مردم شماری کے اعداد و شمار

اس بات کے گواہ ہیں کہ بھارت اپنے اس منصوبے میں بھی کامیاب جا رہا ہے
بہرحال جب شیخ عبداللہ نے بھارتی حکومت کے تیور دیکھے تو اُس کے دل میں نہرو کی نیت پر شبہ محسوس ہونے لگا۔ چنانچہ اُس کشمیر کو بین الاقوامی طور پر ایک خود مختار ملک تسلیم کرانے کے لئے تگ و دو شروع کر دی۔ جس کا پنڈت نہرو نے سختی سے نوٹس لیا۔ اور شیخ عبداللہ کو قید کر دیا۔ اس کے بعد بھارت اپنے بین الاقوامی وعدوں سے بھی مکر گیا۔ جس کے تحت اُس نے کشمیر کے مستقل الحاق کے لئے کشمیر میں استصواب رائے کا اقوام متحدہ میں وعدہ کر رکھّا تھا۔ اور کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ کہنے لگا۔ جس کا اُسے قطعاً کوئی حق نہ تھا۔ اور یہ اقوام متحدہ کے چارٹر کی کھلی خلاف ورزی تھی۔
اس مسئلے پر بعد میں پاکستان اور بھارت کے درمیان مزید دو بڑی جنگیں ہوئیں۔ جن کا نتیجہ دونوں طرف کے مالی اور جانی نقصان اور سیز فائر لائن بھی معمولی ردّ و بدل کے علاوہ اُس کے نام کی کنٹرول لائن میں تبدیلی کے علاوہ کچھ نہ ہوا۔ اور کشمیری قوم ذہنی، جسمانی اور معاشرتی طور پر تقسیم ہو کر رہ گئی۔ اور اس غیر یقینی صورتِ حال نے اُن سے ان کا تشخص اور اطمینان بھی چھین لیا۔ دونوں ممالک کے رحم و کرم پر تکیہ کرنے والی منتشر قوم کے مستقبل کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

کیا کشمیر کی تقسیم ناگزیر ہو چکی ہے؟

۱۹۶۲ء میں بھارت کی چین کے ساتھ سرحدی جھڑپوں میں بھارت کا کافی نقصان ہوا۔ اُس کے نتیجے میں چین نے بھارتی مقبوضہ کشمیر کے علاقے لدّاخ کا کافی حصّہ بھارتی فوج سے چھین لیا۔ اس جنگ سے بھارتی حکومت اور فوج کافی دل برداشتہ ہوتے۔ یہی وہ سنہری موقع تھا۔ جب پاکستان بھارت سے مقبوضہ کشمیر کا علاقہ چھین سکتا تھا۔ لیکن پاکستانی حکومت اس معاملے میں کوئی صحیح لائحہ عمل نہ اختیار کر سکی۔ اس وقت ملک پر صدر محمد ایوب خان کی حکومت تھی۔ اب یہ پتہ نہیں کہ وہ اپنے کسی ذاتی فیصلے پر ایسا نہ کر سکے یا کوئی بین الاقوامی الجھن یا دباؤ تھا۔ جس کے تحت ہم اُس موقع سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ پنڈت نہرو بھی اس شکست سے کافی دل برداشتہ تھا۔ ویسے بھی وہ دماغی اور جسمانی طور پر خاصا کمزور پڑ چکا تھا۔ اُس نے اپنی کشمیر کی پالیسی پر غور کیا۔ تو اُس نے محسوس کیا کہ بھارت کے فائدے میں یہی ہے کہ اس مسئلے کو مستقل طور پر حل کر لیا جائے۔ کیونکہ پاکستان کے علاوہ چین، روس اور افغانستان کی سرحدیں براہِ راست کشمیر سے متصل تھیں۔ چین اور روس کافی بڑے ملک

تھے۔ جن کے کشمیر میں مداخلت کے امکانات کو ردّ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور ایک کشمیری ہونے کی حیثیت سے اُسے یہ بھی احساس ہوا کہ اس نے کشمیر کو غیر قدرتی طور پر تقسیم کر کے ایک مستقل عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اور جب تک اس مسئلے کا کوئی مستقل حل نہیں ہوتا۔ بھارتی حکومت کے لئے یہ ایک عذاب کی صورت میں رہے گا۔ اور پاکستان کے ساتھ بھارت کے تعلقات اس مسئلے کو حل کئے بغیر معمول پر نہیں آ سکتے۔ چنانچہ اُس نے شیخ عبداللہ کو جیل سے رہا کیا۔ اور اُس سے بات چیت کی اور اُسے اپنا ایلچی بنا کر پاکستان میں صدر ایوب خان سے مذاکرات کے لئے بھیج دیا۔ شیخ عبداللہ کی پاکستان میں بڑی پذیرائی ہوئی۔ وہ آزاد کشمیر کے دارالحکومت مظفر آباد بھی گئے۔ لیکن ابھی مسئلے پر بات چیت کی نوبت ہی نہ آئی تھی کہ پنڈت نہرو کا انتقال ہو گیا۔ اور شیخ عبداللہ کو واپس جانا پڑا۔ شیخ عبداللہ کی معرفت پنڈت نہرو کی اس مسئلے کے حل کے لئے کیا تجاویز تھیں۔ اس پر بہت سے لوگ اپنی آراء کا اظہار کر چکے ہیں۔ ان میں اکثریت کا یہ کہنا ہے شیخ عبداللہ بھارت، پاکستان اور کشمیر کے ایک ڈھیلے ڈھالے کنفیڈریشن کا فارمولہ لے کر آتے تھے۔ جو شخص بھی پاکستان کی تشکیل کی جدوجہد اور اُس کے بننے کے بعد بھارت کی حکومت کی پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیوں سے آگاہ ہے۔ وہ کبھی اس تجویز کے متعلق سوچنے کا بھی روادار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر بھارت کے ساتھ کنفیڈریشن ہی بنانا تھا۔ تو لاکھوں جانوں کی قربانی دینے اور لاکھوں مسلمان عورتوں کو پنجاب کے سکھوں کی تحویل میں چھوڑ دینے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے۔ اس لئے شیخ عبداللہ بھی پاکستانی قوم کے خیالات سے پوری طرح آگاہ تھے۔ اس لئے اُن کا کسی ایسی تجویز کا لے کر پاکستان

آنا مضحکہ خیز ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ دراصل نہرو نے شیخ عبداللہ کو یہ تجویز دے کر پاکستان بھیجا تھا۔ کہ مسلم اکثریت کے جموں کے علاقے راجوری اور پونچھ کو وہ پاکستان کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہیں۔ جبکہ ہندو اکثریت کے اضلاع جموں، کٹھوعہ، ریاسی اور اودھم پور، اور لداخ کا بودھ اکثریت کا علاقہ بھارت کے حوالے کر دیا جائے۔ جموں کا ڈوڈہ ضلع جس میں مسلمان اکثریت میں ہیں وہ وادیٔ کشمیر کے ساتھ ملا کر خود مختار کشمیر بنانے پر تیار تھے جس کے بھارت اور پاکستان دونوں ممالک کے ساتھ برابری کی بنیاد پر رشتے استوار ہوں گے۔ شیخ عبداللہ کو چونکہ اس تجویز میں اپنی خود مختار کشمیر کی خواہش نظر آ رہی تھی اور جموں، لداخ اور آزاد کشمیر کے علاقوں میں نہ اُن کی حمایت کے لوگ تھے اور نہ اہنیں ان علاقوں سے اتنی دلچسپی تھی۔ اس لئے وہ اس تجویز کے ساتھ پاکستان آئے اور صدر ایوب پر اس تجویز کو مان لینے کے لئے ذاتی دباؤ ڈالنا چاہتے تھے لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا۔

کسی ملک کا سربراہِ حکومت اگر سیاسی آدمی ہو اور اُس کے وزیروں میں سے کوئی تکنیکی قسم کا آدمی ہو تو وہ ایسی حکومت کے لئے سودمند ثابت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سیاسی ذہن کی نگرانی میں تکنیکی عمل کی کارکردگی اچھے نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ لیکن کسی پروفیشنل قسم کے سربراہِ حکومت کے تحت کام کرنے والا کوئی سیاسی ذہن اور پھر سیاسی عزائم رکھنے والا کوئی وزیر موجود ہو۔ تو وہ ایسی حکومت کے لئے کافی مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔ چنانچہ کچھ اسی قسم کے پلان کے تحت مقبوضہ کشمیر کے مقامی لوگوں سے رابطہ قائم کئے بغیر اور اُن کا تعاون حاصل کئے بغیر ہی کشمیر میں اپریشن جبرالٹر پر جولائی ۱۹۶۵ء میں عمل شروع کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے اگرچہ مقامی لوگوں سے کشمیر میں پاکستانی

گوریلوں کو وہ پذیرائی نہ حاصل ہو سکی۔ جس کا انہیں یقین دلایا گیا تھا۔ لیکن پھر بھی انہوں نے کافی کارکردگی دکھائی۔ جس کی وجہ سے بھارت کے لئے مقبوضہ کشمیر میں حالات تکلیف دہ ہوتے گئے۔ چنانچہ کشمیر سے پاکستان کی توجہ ہٹانے کے لئے اُس نے ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو پاکستان پر حملہ کر دیا۔ ہم آج تک کہتے آتے ہیں کہ بھارت نے اچانک ہی بغیر اعلانِ جنگ کئے پاکستان پر حملہ کر دیا تھا۔ کیا ہم اتنے "کاکے" ہیں کہ کشمیر میں بھارتی تسلط کے خلاف اپریشن کرنے کے باوجود ہم یہ سمجھتے رہے کہ بھارت ہم پر حملہ نہیں کرے گا اور رن کچھ کی لڑائی کے بعد شاستری کی اس دھمکی کو ہم نے نظر انداز کر دیا۔ جس میں اُس نے واضح طور پر کہا تھا۔ کہ وہ پاکستان کے خلاف اپنی مرضی کا محاذ کھولے گا۔ اور پاکستان کے مواصلاتی مرکز کو نشانہ بنائے گا۔ خیر ۱۹۶۵ء کی جنگ ہوئی۔ جس میں پاکستانی فوج نے اپنے ملک کا مؤثر طور پر دفاع کیا۔ دونوں ملکوں کا کافی جانی اور مالی نقصان ہوا۔ کچھ ہمارے علاقے بھارت کے قبضے میں چلے گئے تو کچھ بھارتی علاقے ہم نے چھین لئے۔ روس نے دونوں ملکوں کے سربراہوں کو تاشقند میں بلا کر صلح کرا دی۔ معاہدہ ہوا اور جنگ بندی ہو گئی۔ اس جنگ میں دونوں ملکوں کے مفتوحہ علاقے تو واپس ہو گئے۔ لیکن کشمیر میں نئی جنگ بندی لائن بن گئی۔ جسے کنٹرول لائن کا نام دیا گیا۔ ایک تو پاکستان کی فوجی قوت کافی مضبوط تھی دوسرا روسی اسلحے کے مقابلے میں پاکستان کا امریکی اسلحہ کافی اعلیٰ معیار کا تھا اور پھر پوری پاکستانی قوم پوری دلجمعی کے ساتھ لڑی۔ اس لئے بھارت کے لئے کشمیر میں مطلوبہ نتائج حاصل کرنا ممکن نہ ہو سکا۔ جس سے وہ کشمیر کی اپنی مرضی کی تقسیم کرا سکنے پر قادر ہو سکتا۔ ادھر پاکستان میں اس جنگ کے محرکین کو بھی مایوسی ہوئی۔ جب اُن کے پلان کردہ

نتائج نہ نکل سکے۔ اس جنگ میں ایک بات سب سے اہم یہ ہوئی کہ بھارتی ہندو فوجی جو پاکستانی فوجیوں سے حد درجہ خائف تھے۔ اُن کا ڈر جاتا رہا۔ اور وہ سمجھ گئے کہ پاکستانی بھی ہم جیسے ہی گوشت پوست کے آدمی ہیں اور جو ایک بھرم قائم تھا وہ نہ رہا۔ ہم آج تک اس جنگ میں اپنے آپ کو فاتح قرار دیتے آرہے ہیں۔ حالانکہ یہ جنگ ہم نے جس مقصد کے لئے شروع کی تھی۔ وہ ہم نہ حاصل کر سکے۔ اور فتوحات کا توازن بھی دونوں ملکوں کا تقریباً برابر ہی رہا۔ غیر ملکی پریس اور ذرائع کا اگر آپ مطالعہ کریں۔ تو جان جائیں گے کہ تمام ممالک میں اس جنگ میں پاکستان کی ناکامی کا تاثر ہی پایا جاتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستان کی شکست وریخت کا یہی جنگ پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ بھارت نے ۱۹۶۵ء کی جنگ کی وجہ سے محسوس کی گئی اپنی تمام خامیاں دُور کر لیں۔ بلکہ اپنی صلاحیتوں میں کچھ مزید اضافہ کر لیا۔ جبکہ ہم اپنی فتح کے زعم میں ہی مبتلا رہے۔

اس کے بعد ۱۹۷۱ء میں پاکستان کو پھر جنگ میں دھکیل دیا گیا بھارت نے مشرقی پاکستان میں بغاوت کا زہر پھیلا کر اُس میں پوری مداخلت کی اور ہمارے اُس حصّے کو ہم سے علیحدہ کرا کے بنگلہ دیش بنا دیا۔ کشمیر میں بھی پھر سیز فائر لائن یا کنٹرول لائن میں ردّوبدل ہوا۔ نوّے ہزار کے قریب پاکستانی فوجی اور سول آفیسر اور جوان بھارت کے جنگی قیدی بنے۔ اور معاہدہ شملہ کے تحت اُن کی رہائی ہوئی۔ اور کشمیر کے مسئلے کو صرف بات چیت کے ذریعے حل کرنے کی شرط کو ہم نے مان لیا۔

دراصل یہ شرط کشمیر کی تقسیم کو مان لینے کی شرط تھی۔ جو بھٹو اور اندرا گاندھی کے درمیان طے پا گئی تھی۔ لیکن بھٹو صاحب اُس کا برملا اقرار

کرنے اور اُسے ضابطہ تحریر میں لانے کے لئے تیار نہ تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر ایسا ہو گیا تو لوگ اُن کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور کہیں گے کہ جنگ ۱۹۷۱ء کا ڈھونگ ہی کشمیر کو تقسیم کرنے کے لئے رچایا گیا ہے۔ اس لئے بھٹو صاحب نے اندرا گاندھی سے کچھ مہلت لے لی کہ وہ قوم کو اعتماد میں لے کر کسی مناسب وقت پر اس کا اظہار کریں گے۔ اس طرح سے کشمیر کی تقسیم کا یہ مرحلہ بھی ٹل گیا۔ ویسے ایک بات غور طلب ہے۔ کیا پاکستان نے جب انڈس بیسن ٹریٹی پر دستخط کر کے تین دریاؤں کے پانی سے دست برداری اختیار کی تھی۔ تو اس نے ایک طرح سے کشمیر کی تقسیم کو تسلیم نہیں کر لیا تھا۔ اور بھارت نے منگلا ڈیم کے منصوبے پر رضامندی کا اظہار کر کے اس علاقے پر پاکستانی تسلط کو تسلیم نہیں کر لیا تھا۔ آپ سوچئے! کہ بھٹو صاحب کو جن حالات میں یحییٰ خان نے پاکستان کا نمائندہ بنا کر اقوام متحدہ میں بھیجا اور انہوں نے وہاں پر جو رول ادا کیا اور مشرقی پاکستان کے سیاسی حل کو جس طرح تبدیل کر دیا۔ کیا اس سے پوری قوم آگاہ نہیں ہے۔

اگرچہ اس کے بعد ملک میں حالات معمول پر آتے گئے۔ نئی سیاسی حکومت بنی۔ لوگوں کا اعتماد بحال ہوتا گیا۔ لیکن قوم کو کشمیر کی مستقل تقسیم پر آمادہ کر لینا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ چنانچہ پھر پرانی حکمتِ عملی وضع ہونے لگی۔ اور مسئلہ کشمیر پر ایک اور جنگ کا پلان تیار کیا جانے لگا۔ بھٹو صاحب نے شمالی علاقہ جات اور آزاد کشمیر کا تفصیلی دورہ کیا اور وہاں پر جذباتی تقریریں کیں۔ مقبوضہ کشمیر کو آزاد کرانے کے عزم کو دہرایا گیا۔ بلکہ شمالی علاقہ جات اور آزاد کشمیر کے کئی سول شعبوں کو بھی فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ اس طرح سے گویا بھارت سے ایک نئی

جنگ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ ادھر بھٹو صاحب کو پتہ نہیں کیا خیال آیا کہ انہوں نے نئے الیکشن کا اعلان کر دیا۔ غالباً وہ پارلیمنٹ میں اپنی مطلوبہ اکثریت چاہتے تھے تا کہ اپنی مرضی کی باتیں منوا سکیں۔ ۱۹۷۷ء کے الیکشن ہوتے تو اس میں حکومت کی طرف سے دھاندلیوں کے الزامات لگے اور عوامی ایجی ٹیشن شروع ہوگئے۔ حکومت نے تشدد شروع کر دیا۔ تو معاملات بگڑتے چلے گئے۔ بالآخر بھٹو صاحب حزب مخالف کے لیڈروں سے بات چیت پر مجبور ہوگئے۔ لیکن ابھی اس بات چیت کے نتائج نہیں نکلے تھے کہ ملک میں جنرل ضیاء الحق نے مارشل لاء نافذ کر دی۔ جس سے بھٹو صاحب پہلے حکومت سے گئے اور اُس کے بعد جان سے بھی گئے۔ کہ انہیں ایک قتل کے الزام میں پھانسی کی سزا سنا دی گئی تھی۔ اُن کے انتقال کی وجہ سے کشمیر کی تقسیم کا معاملہ پھر کھٹائی میں پڑ گیا۔ حتیٰ کہ اندرا گاندھی کو بھی قتل کر دیا گیا اس طرح سے اس ڈرامے کے تمام کردار یعنی اندرا گاندھی، مجیب الرحمٰن اور بھٹو غیر طبعی موت کا شکار ہوگئے۔

اس کے بعد پاکستان میں جنرل ضیاء کی حکومت آئی۔ پہلے مارشل لاء اور پھر سول مارشل لاء۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں سیاچین کے مسئلے نے سر اٹھایا۔ بھارت کی دراصل خواہش یہی تھی کہ کشمیر میں کسی طرح جنگ چھڑے اور وہ اپنی مرضی کے نتائج حاصل کر کے کشمیر کو اپنی خواہش کے مطابق تقسیم کرا سکے۔ لیکن ضیاء الحق چونکہ ایک طرف افغانستان کے معاملے میں الجھے ہوئے تھے۔ وہ سیاچین کے معاملے پر بھارت کو طرح دیتے رہے۔ اور بات کو نرمی اور سیکرٹریوں کی سطح پر مذاکرات کے ذریعے ٹالتے رہے۔ راجیو گاندھی کے مرنے سے پہلے کے انٹرویو کے حوالے سے کسی بیرونی خاتون

اخباری رپورٹر نے یہ بات بالکل غلط بھی نہ کہی تھی۔ کہ راجیو گاندھی نے انہیں بتایا تھا کہ ضیاء الحق کشمیر کی تقسیم پر راضی ہو چکے تھے۔ دراصل راجیو نے بات ضرور کی ہوگی۔ جسے ضیاء الحق نے ہنس کر حسب معمول یہ کہہ کر ٹال دیا ہوگا کہ کبھی بیٹھ کر اس مسئلے پر بھی بات کریں گے۔ چنانچہ ضیاء الحق کے بعد یہ مسئلہ پھر ٹھپ ہوگیا۔

بھارت کی حکومت چونکہ شروع سے ہی پیپلز پارٹی اور بھٹو صاحب کی حمایتی رہی ہے۔ اس لئے جنرل ضیاء کی موت کے بعد پیپلز پارٹی کو پاکستان میں برسرِ اقتدار لانے میں بھارتی حکومت نے پوری معاونت کی۔ سندھ میں پیپلز پارٹی کے ریکارڈ جیت جانے کے پیچھے بھی سندھ کے ہندوؤں کی معرفت بھارت کا ہاتھ تھا۔ بہرحال پاکستان میں پیپلز پارٹی کے اقتدار میں آجانے سے پھر وہ پرانا عہد اور معاہدہ زیرِ بحث آیا۔ جس کے تحت کشمیر کو تقسیم کر کے اس مسئلے کو مستقل طور پر ختم کرنا اور بھارت اور پاکستان کے درمیان تعلقات کو معمول پر لانا تھا۔ چنانچہ بے نظیر بھٹو اور راجیو گاندھی کے درمیان یہ معاملہ زبانی طور پر طے پا گیا۔ جس کا اظہار اسلام آباد میں سارک ممالک کے سربراہانِ حکومت کی میٹنگ کے دوران راجیو گاندھی نے اپنی پریس کانفرنس میں کر دیا۔ کہ مسئلہ کشمیر کہاں ہے۔ وہ تو معاہدہ شملہ کے تحت ختم ہو چکا ہے۔ یعنی دونوں کے بزرگواران کے درمیان شملہ میں طے پا گیا ہے۔ صرف رسمی اعلان باقی ہے۔ جو کسی وقت بھی ہو سکتا ہے۔ اس بیان پر بے نظیر صاحبہ صرف مسکرا کر رہ گئیں اور اس کی تردید وہ برملا نہ کر سکیں۔ ابھی یہ معاملہ مسکراہٹوں کے تبادلے کی سطح پر ہی تھا کہ بے نظیر بھٹو کی حکومت ڈولنے لگی۔ سیاسی بحران پیدا ہوگیا۔ حتیٰ کہ انہیں رخصت ہونا

پڑا۔ اُن کی رخصت ہونے میں سیاسی عوامل کے علاوہ اُن کی حکومت سے ہٹ جانے کی ذاتی خواہش بھی شامل تھی جو وہ مسئلہ کشمیر کے طے شدہ حل سے گریز کے سلسلے میں اختیار کرنا چاہتی تھیں۔ اچھا ہوا کہ منظر سے ہٹ گئیں ورنہ اُن کا انجام بھی شائد راجیو گاندھی جیسا ہوتا۔ کیونکہ جس شخصیت نے بھی کشمیر کو تقسیم کرنے کے منصوبے پر عمل کرنا یا سوچنا چاہا ہے۔ قدرت نے اُسے منظر سے غائب کر دیا ہے۔ قدرت کو کیا منظور ہے۔ یہ وقت ہی بتائے گا۔

کشمیر کی نوجوان نسل نے پچھلی دو دہائیوں سے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔ کہ بھارت کشمیریوں کے ساتھ معاملات کرنے میں مخلص نہیں اور وہ صرف وقت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ کشمیر میں مسلمانوں کو اقلیّت میں تبدیل کر سکے۔ یا پھر اُن سے اسلامی حمیّت اور اخوّت ختم کر کے ان کے ذہنوں کو سیکولر بنا سکے۔ اس سلسلے میں کشمیر میں جنسی بے راہ روی، نشیات، مذہب سے بغاوت اور محرومی کے ردِّ عمل میں تحریکیں چلائی جا رہی تھیں تا کہ نوجوان نسل کسی طرح اسلام کے اصولوں سے بیگانہ ہوتی جائے۔ لیکن نوجوان نسل نے اُن تحاریک کا سختی سے نوٹس لیا اور بھارت کے خلاف عملی اقدام کرنے شروع کر دیئے۔ ادھر افغانستان کی جنگ نے اُن میں بھارت کے خلاف مسلح طور پر نبرد آزما ہونے کی جرأت پیدا کر دی۔ کشمیری نوجوانوں نے سینکڑوں کی تعداد میں افغانستان کی جنگ میں افغان عوام کے ساتھ حصّہ لیا۔ اور گوریلا جنگ کی تربیت حاصل کی جب روس جیسی بڑی طاقت نے افغان عوام کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے اور اپنی فوجیں واپس بُلالیں تو کشمیری نوجوانوں کو بھی حوصلہ ملا۔ اور

انہوں نے بھارتی حکومت کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ اُن کا طریقِ کار بھی بالکل افغان مجاہدین والا تھا۔ یعنی مختلف گروپوں اور گروہوں میں اس جنگ نے آہستہ آہستہ ارتقائی منزلیں طے کیں۔ پہلے عوام نے انہیں قبول نہیں کیا۔ کیونکہ عوام بھارتی سنگینوں کے سائے تلے سہمے ہوتے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ لوگ اس تحریک میں شامل ہوتے گئے۔ بھارت اپنے ایجنٹوں کی معرفت مجاہدین کی کوششوں کو ناکام بناتا رہا۔ لیکن مجاہدین نے جی نہیں ہارا۔ بلکہ پہلے انہوں نے بھارتی ایجنٹوں کے خلاف کام شروع کیا۔ اور انہیں بے نقاب کر کے یکسر ختم کرنا شروع کر دیا۔ جس سے مخبری کا کام رکتا گیا اور عوام کا اعتماد بحال ہوتا گیا۔ ادھر بھارتی فوج نے مظالم کی انتہا کر دی۔ ان مظالم سے کشمیری عوام میں آزادی کی آگ سرد ہونے کی بجائے اور تیز ہوتی گئی۔ عوام کا آپس میں بھائی چارہ بڑھتا گیا۔ اور بالآخر وہ واپسی کے تمام راستے ختم کر کے مجاہدین کے ہم نوا بن گئے۔ بھارتی فوج نے مظالم میں نوجوان مردوں سے جو برتاؤ کیا سو کیا۔ انہوں نے بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو بھی نہیں بخشا۔ عورتوں کی اجتماعی آبرو ریزی کی گئی جس میں انہوں نے چھ سات سال کی بچیوں سے لے کر اسّی سال کی خواتین کو بھی نہیں بخشا۔ نوجوان مردوں کے اعضاء تناسل کاٹ دیئے گئے اور دوسرے اعضاء کاٹ کر انہیں اپاہج بناتے رہے۔ آہنسا کے ان پجاریوں نے کشمیر میں ایسے انسانی جرائم کا ارتکاب کیا۔ جو ابھی تک تاریخ انسانی میں کہیں نہیں ہوا۔ ان طریقوں سے آزادی کی تحریک دبی تو نہیں اور تیز ہوتی گئی۔ اور اب صورت حال یہ ہے کہ کشمیری عوام پوری طرح بھارتی حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں

اور وہ بھارت سے گلو خلاصی کرانے اور پاکستان کے ساتھ شامل ہونے کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار ہیں۔ اب حالات یہ ہیں کہ کشمیر میں بھارتی وقت کی بجائے پاکستان کا سٹینڈرڈ ٹائم رائج ہے۔ پاکستان کا ہر دن منانے کے لئے وہ کرفیو اور فوج کی رکاوٹوں کی پرواہ نہیں کرتے اور پاکستانی جھنڈے لہرا کر جلوس نکالتے ہیں۔ اور بھارت کے قومی ایام کے دن سوگ مناتے ہیں۔ تمام سرکاری دفاتر میں مجاہدین کا قبضہ ہے۔ اور وہ جب چاہتے ہیں دفتر بند ہو جاتے ہیں۔ بھارت میں چندر شیکھر کی حکومت نے اور بعد میں نرسیما راؤ کی حکومت نے یہ محسوس کر لیا ہے کہ کشمیری اب واپسی کے تمام رستے چھوڑ کر بھارت کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ اس لئے اس مسئلے پر غور کیا جائے۔ بیانات میں اگرچہ وہ ابھی تک کشمیر کے بھارت کا اٹوٹ انگ ہونے کی رٹ لگائے ہوئے ہیں۔ لیکن درپردہ اس مسئلے سے بھارت کی جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اب انہوں نے محسوس کر لیا ہے کہ چوالیس سال گزرنے کے باوجود کشمیری اُن کے نہیں ہو سکے تو کبھی نہیں ہوں گے۔ اس لئے بھارتی حکومت نے مجاہدین کے تمام بڑے گروپوں کے گرفتار شدہ لیڈروں کو تہاڑ جیل دہلی میں جمع کر کے اُن سے مذاکرات کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اُن کے سامنے کشمیر کی تقسیم کا فارمولا رکھا ہے۔ فارمولا وہی پرانا ہے۔ کہ جموں کی ہندو اکثریت کے اضلاع اور لداخ کے بدھ اکثریت کا علاقہ بھارت کے حوالے کر دیا جائے۔ پونچھ اور راجوری کے مسلم اکثریت والے اضلاع پاکستان کے حوالے کر دیئے جائیں اور وادیٔ کشمیر کو خود مختار ملک کی حیثیت سے دونوں ممالک تسلیم کر لیں اور دونوں ممالک سے وادی کے روابط رہیں۔

وادیٔ کشمیر میں چار یا پانچ سال کے لئے بھارتی کرنسی اور پاسپورٹ ہی استعمال ہوں۔ دونوں ممالک کے لوگ کشمیر میں آزادانہ آجا سکیں۔ اور کشمیری بھی دونوں ممالک میں بغیر کسی روک ٹوک کے جا سکیں۔ چار یا پانچ سال کے بعد کشمیری بھارت یا پاکستان جس کے ساتھ چاہیں الحاق کر لیں۔ کمانڈروں نے اس سلسلے میں بات چیت کرنے سے قطعی انکار کر دیا ہے اور بھارت سے پاکستان کی اس تجویز کے بارے میں رائے معلوم کرنے کے لئے کہا ہے۔ چنانچہ آج کل زبانی زبانی یہ تجویز زیرِ غور ہے۔ پتہ نہیں پاکستانی حکومت کس ردِّ عمل کا اظہار کرتی ہے۔ لیکن ایک بات ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ کشمیر کی تقسیم اتنی آسان نہیں اور اس معاملے میں ہر پیش رفت کرنے والا شخص زندہ نہیں رہے گا۔ اگر کشمیر کو تقسیم ہی کرنا تھا تو یہ کام ۱۹۴۸ء میں بھی ہو سکتا تھا۔ اس کے لئے اتنا لمبا انتظار کیوں کیا گیا۔ اب جب کہ کشمیری جانی مالی قربانیاں دینے کے بعد اس مرحلے تک آپہنچے ہیں کہ اپنی جدوجہد کے ثمر سے لطف اندوز ہو سکیں تو اُن کی قربانیوں کو رائیگاں نہ کیا جائے۔ ہاں بھارت نے جموں اور لداخ کے علاقوں میں غیر مسلم عوام کو مسلم عوام کے خلاف بھڑکا کر اپنی مرضی کے ایجی ٹیشن بھی کرائے ہیں۔ تاکہ وہ ان علاقوں کو کشمیر سے علیحدہ کر کے ہریانہ یا ہماچل پردیش کے صوبوں میں ضم کر سکے لیکن کشمیری کشمیر کو تقسیم کرنے والی ہر کوشش کو ناکام بنا دیں گے۔ اور کشمیر کو ایک وحدت کی صورت میں پاکستان میں شامل کرنے کے خواہاں ہیں۔ کیونکہ اپنے مستقبل کو اپنی مرضی سے چننا اُن کا اپنا حق ہے۔ جسے بھارت اُن سے کسی طور بھی نہیں چھین سکتا۔

کشمیر کا پاکستان سے اِلحاق کیوں ضروری ہے؟

۱:- پاکستان کے لفظ کی تشکیل کے وقت بھی کشمیر کے پاکستان میں شامل ہونے کا تصوّر واضح طور پر مسلمانوں کے ذہن میں موجود تھا پاکستان کے لفظ میں "ک" کا حرف کشمیر کی نمائندگی کر رہا ہے۔ پاکستان کی جسمانی تکمیل کے ساتھ ساتھ لفظی تکمیل بھی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کشمیر کا پاکستان سے الحاق نہ ہو۔

۲:- کشمیر پوری طرح سے پاکستان سے ملحق ہے۔ جب کہ بھارت سے اُس کا کوئی زمینی رابطہ نہ تھا۔ ریڈ کلف نے سازش کے تحت گورداسپور کا ضلع بھارت کے حوالہ کر کے اُس کا بھارت سے ایک لمبا راستہ بنایا۔ اس کے علاوہ کشمیر کو جانے والے تمام راستے پاکستان سے ملتے تھے۔

۳:- کشمیر میں آباد لوگ مذہبی، لسّانی، نسلی، جغرافیائی، اور تہذیبی طور پاکستان کے باشندوں سے ملتے ہیں۔ اور اُن کے آپس میں رشتہ داریاں ہیں۔

۴:- کشمیر سے مختلف اوقات میں ہجرت کرنے والے تمام

کشمیری کشمیر سے ملحقہ پاکستانی علاقوں میں آباد ہیں۔ جن کے آباء و اجداد کے وطن سے رشتے بدستور استوار ہیں۔ اور وہ معاشرتی اور تہذیبی طور پر ایک معاشرہ تصوّر ہوتے ہیں۔

۵:- کشمیر کی تمام بیرونی تجارت پاکستان کے علاقوں کے راستے ہی ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ مختصر ترین وقت میں پنجاب اور سرحد کی منڈیوں میں پہنچ جاتے تھے۔ جب کہ بھارت میں جانے کے لئے طویل سفر اور ہوائی اخراجات پر زیادہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اور پھر معاشی بدحالی کی وجہ سے بھارت سے کشمیریوں کو اپنے مال کے وہ دام میسّر نہیں آسکتے۔ جو پاکستان میں آسکتے ہیں۔

۶:- کشمیر سے نکلنے والے تمام دریاؤں کا رخ پاکستان کی طرف ہے۔ جن کے ذریعے کشمیر کی لکڑی جو کشمیر کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے دریاؤں میں پھینک دینے سے بغیر اخراجات کے پاکستان کی منڈیوں میں پہنچ جاتی اور اپنے صحیح دام لاتی۔ جب کہ بھارت بھیجنے کے لئے سڑکوں کے ذریعے اتنی لاگت اُٹھتی ہے۔ کہ اصل دام بھی وصول نہیں ہو پاتے۔

۷:- کشمیر کی معیشت میں سیاحت کی سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ بھارت کے ذریعے طویل سفر طے کر کے بیرونی سیاح اتنے جلدی کشمیر نہیں پہنچ سکتے۔ جتنی جلدی پاکستان کے مختصر راستوں سے پہنچ سکتے ہیں۔

۸:- بحری جہازوں کے ذریعے بیرونی دنیا سے منگوایا جانے والا سامان بمبئی سے امرتسر کے راستے بہت دیر سے پہنچتا ہے۔ جبکہ

کراچی سے راولپنڈی یا سیالکوٹ کے راستے کم خرچ میں کم وقت پر پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح صنعتی ترقی کے لئے بھارت کی نسبت پاکستان سے مشینری جلدی اور زیادہ حفاظت سے آسکتی ہے۔

کشمیر کا پاکستان سے الحاق صرف پاکستان کی ہی ضرورت نہیں بلکہ کشمیر کی معیشت کے لئے بھی بہت ضروری ہے۔ اور کشمیری مسلمانوں کی حتمی خواہش ہے کہ کشمیر پاکستان سے الحاق کر کے پاکستان کو مکمل کر دیں۔ اس خواہش کا اظہار وہ کئی بار کر چکے ہیں۔

ا:۔ سب سے پہلے اس کا اظہار ۱۹ر جولائی ۱۹۴۷ء کو مسلم کانفرنس کے نمائندہ اجلاس منعقدہ سری نگر سردار محمد ابراہیم کی اقامت گاہ پر کیا گیا۔ جس میں مہاراجہ کشمیر پر زور دیا گیا کہ وہ ریاست جموں و کشمیر کا الحاق پاکستان سے کرے۔ کیونکہ ریاست کی آبادی کا ۸۰ فیصد حصّہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ جو مذہبی، ثقافتی اور اقتصادی رشتوں سے پاکستان سے بندھے ہوئے ہیں۔ اور اگر مہاراجہ مسلمان آبادی کے مطالبات تسلیم نہ کرے تو وہ اس کے خلاف اپنی تحریکِ آزادی شروع کر دیں گے۔

ب: "کسان مزدور کانفرنس" جو ریاست کے ہندو اور مسلمان مزدوروں اور کسانوں کی ملی جلی سیاسی جماعت تھی۔ اس کی مجلس عاملہ نے ۵ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو ایک قرارداد منظور کی جس میں مہاراجہ کو مشورہ دیا گیا کہ وہ ریاست کا الحاق پاکستان سے کرے۔ اس کی توثیق اس جماعت کی جنرل کونسل نے ۱۶ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو کر دی۔

ج:۔ اس کے دو دن بعد کشمیر کی ایک اور ہندو اور مسلمانوں کی مشترک جماعت "سوشلسٹ پارٹی" نے کشمیر کے پاکستان سے الحاق کا مطالبہ کیا۔

د:۔ کئی معتدل کشمیری ہندو لیڈروں نے جن میں پنڈت پریم ناتھ بزاز بھی شامل تھے۔ مہاراجہ کو کشمیر کا پاکستان سے الحاق کرنے کا مشورہ دیا

اس کے بعد جب سے کشمیر میں موجودہ آزادی کی تحریک اٹھی ہے ہر موقع پر جلوس اور پاکستان کے ہر قومی دن پر ہر جگہ پاکستانی پرچم لہرانا، پاکستان کے حق میں نعرہ لگانا، پاکستانی لیڈروں کے کہنے پر مکمل ہڑتال کرنا اور بھارتی قومی دنوں پر ماتمی جلوس نکالنا یہ سب کشمیریوں کے پاکستان سے الحاق کرنے کی خواہشوں کا اظہار ہی تو ہے۔ بلکہ کشمیری مجاہدین آزادی کشمیر کا الحاق پاکستان سے کر چکے ہیں۔ بھارت کی اتوار کی چھٹی کی بجائے پاکستان کی طرح جمعہ کی چھٹی کرنا۔ اپنی گھڑیوں کو پاکستانی وقت کے مطابق کر لینا، پاکستان کے ہر قومی دن کو پاکستانیوں کی طرح منانا، پاکستان کا بین الاقوامی کھیلوں میں جیت جانے پر خوشی کا اظہار کرنا، ہر موقع پر پاکستان کی حمایت میں پاکستانی پرچموں کے ساتھ جلوس نکالنا، یہ سب کیا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ کشمیری عوام کشمیر کا پاکستان سے الحاق کر چکے ہیں۔ اس وقت مقبوضہ کشمیر میں سو سے زیادہ جماعتیں اور گروپ آزادی کی تحریک میں فعال ہیں۔ یہ سب ہی پاکستان کے ساتھ الحاق کے حامی ہیں۔ اور لطف کی بات یہ ہے۔ کہ بھارت اپنی تمام کوششوں کے باوجود ان میں کوئی جماعت ایسی نہیں تلاش کر سکا جسے وہ در پردہ خود مختار کشمیر کا نعرہ دے سکتا۔ اس لئے یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے۔ کہ مسئلہ کشمیر کا ایک ہی حل ہے۔ کہ ساری ریاست جموں و کشمیر کا مکمل طور پر پاکستان سے الحاق ہو۔ کیونکہ بھارت کے کشمیریوں کے چوالیس سال کے رویے نے ان پر ثابت کر دیا ہے کہ وہ بھارت کیساتھ باعزت زندگی نہیں گزار سکتے

بھارت میں آئے دن مذہبی فساد ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں مسلمانوں پر ہمیشہ ظلم ہوتا ہے۔ جب کہ پاکستان میں آج تک مذہبی بنیادوں پر فسادات نہیں ہوتے۔ اس لئے پاکستان کشمیر کے مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے پروقار اور پرسکون ثابت ہوگا۔ کشمیر کے مسلمان عوام بھارت کے ہندوؤں کی متعصبانہ ذہنیت کو قطعاً برداشت نہیں کرسکتے۔ جس کے تحت انسان کو درجوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ اور ایک گروہ سے دوسرے گروہ کے چھو جانے سے اُن کا مذہب بھرشٹ ہو جاتا ہو۔ ایسے معاشرے سے انصاف کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

بھارت کے کشمیر پر قبضہ کرنے کی وجوہات

۱:۔ پنڈت نہرو کا کشمیری نژاد ہونا اس کی سب سے بڑی وجہ تھی۔ کشمیر سے اُس کا ذاتی لگاؤ اور اُس کی انا کشمیر پر بھارتی قبضے کی سب سے بڑی وجہ بنی۔ اسی بنیاد پر ریڈکلف ایوارڈ کے ذریعے پنجاب کے گورداسپور کے ضلع کو ماسوائے تحصیل شکرگڑھ کے بھارت میں شامل کیا گیا۔ حالانکہ گورداسپور مسلم اکثریت کا ضلع تھا۔ اور اُس کا پاکستان کے ساتھ شامل ہونا متعینہ تھا۔ اور پھر ۱۴؍ اگست کو تشکیل پاکستان کے دن گورداسپور کی کچہری پر پاکستانی پرچم لہرایا بھی گیا۔ لیکن دوسرے دن اُسے بھارت میں شامل کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ تاکہ بھارت کو کشمیر پر قبضہ کرنے کے لئے زمینی راستہ میسّر آسکے۔

۲:۔ پنڈت نہرو اور دوسرے ہندو لیڈروں نے پاکستان کو بادلِ ناخواستہ ہی تسلیم کیا تھا۔ اس لئے وہ کسی طرح بھی مضبوط پاکستان کو ابھرتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ کشمیر کے پاکستان کے ساتھ مل جانے سے پاکستان پہلے دن سے ہی مضبوط ہو جاتا۔ جو انہیں گوارہ نہیں تھا۔ اس لئے شیخ عبداللہ کو استعمال کرتے ہوئے مہاراجہ کی مجبوری سے

فائدہ اٹھاتے ہوتے بھارت نے اُس پر قبضہ کر لیا۔ اسی بغض کے تحت نہرو کی بیٹی نے ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنا کر پاکستان کو کمزور کر دیا۔

۳:۔ بھارت نے کشمیری مسلمانوں کو بطورِ یرغمال اپنے قبضے میں رکھ لیا تا کہ وہ انہیں پاکستان کے خلاف استعمال کرتا رہے۔ اور کشمیر سے نکل کر پاکستان میں جانے والے دریاؤں کے پانیوں پر کنٹرول حاصل کر کے پاکستان کی معیشت کو اچھی بنیادوں پر استوار نہ ہونے دے بلکہ تباہ کرتا رہے۔

۴:۔ بھارت نے کشمیر پر قبضہ کر کے اپنی براہِ راست سرحدیں روس، چین اور افغانستان تک بڑھانے کی کوشش کی۔ تا کہ پاکستان کے لئے مزید مشکلات پیدا کرتا رہے۔ اور ان ممالک سے اپنے روابط کو بڑھائے۔

۵:۔ بھارت نے کشمیر جنت نظیر کو اس لئے اپنے قبضے میں لیا تا کہ وہ اس علاقے کی مسلم اکثریت کو بتدریج کوشش سے اقلیت میں بدل دے اور کشمیر کے قدرتی عجائبات کے وسائل اور تہذیبی و تاریخی شواہد پر قبضہ کر کے اپنی انفرادیت کا رعب گاڑھ سکے اور سیاحت سے زرِ مبادلہ کما سکے اور سلسلہ ہائے قراقرم، ہمالیہ کی بلند ترین سرزمین سے لے کر بحرِ ہند کے عمیق ترین سمندروں تک اپنے قبضے کا دعویٰ کر سکے۔

مسئلہ کشمیر کے ممکنہ حل

اب ہم مسئلہ کشمیر کے ممکنہ حل کے بارے میں بات کرتے ہیں ہمارے خیال میں کشمیر کے موجودہ دور میں مندرجہ ذیل حل زیرِ بحث لائے جا سکتے ہیں۔

۱:۔ کشمیر میں استصوابِ رائے کا حق دیا جائے۔ جس میں ممکن ہے کہ کشمیر کا پاکستان سے الحاق ہو جائے اور بھارت اُسے خالی کر دے۔

۲:۔ کشمیر مکمل طور پر ایک خود مختار ملک بن جائے اور دونوں ممالک اپنی فوجیں کشمیر سے نکال لیں۔

۳:۔ کشمیر کو موجودہ قبضے کی بنیاد پر تقسیم کر دیا جائے۔

۴:۔ کشمیر کو موجودہ قبضے میں کچھ ردّ و بدل کر کے تقسیم کر دیا جائے تا کہ سرحدیں کسی حد تک طبعی ہو سکیں۔

۵:۔ کشمیر کو مسلم اور غیر مسلم آبادی کے تناسب کے حساب سے تقسیم کر دیا جائے اور مسلم اکثریت کے علاقے پاکستان کے پاس ہوں اور غیر مسلم اکثریت کے بھارت کے ساتھ رہیں۔

۶:۔ جموّں اور لدّاخ کے علاقوں کو مسلم اور غیر مسلم اکثریّت کے مطابق پاکستان اور بھارت میں تقسیم کر دیا جائے۔ اور وادیٔ کشمیر بشمول ڈوڈہ ضلع (جس میں مسلم اکثریت ہے) خود مختار کر دی جائے۔ (آج کل بھارتی حکومت کے ذہن میں یہی تجویز چل رہی ہے)

۷:۔ کشمیر سے پاکستان بالکل نکل جائے اور اُسے پورے کا پورا بھارت کے حوالے کر دیا جائے۔

مقبوضہ کشمیر میں موجودہ آزادی کی جدوجہد کا رجحان کسی طرح بھی ایسا نہیں کہ بھارت کو وادیٔ کشمیر میں اپنے حق میں کوئی ووٹ مل سکے۔ جموّں کے علاقے کے چالیس فیصد مسلمان بھی پاکستان کے حق میں فیصلہ دیں گے۔ لدّاخ کے بودھ بھی ضروری نہیں کہ بھارت کے حق میں جائیں۔ کیونکہ نیپال، بھوٹان وغیرہ کے ملکوں سے بھارت کا رویّہ کسی طرح بھی بودھوں کے حق میں نہیں۔ پھر مذہب کے علاوہ انہیں علاقے کی سلامتی اور معاشرتی قدروں کا بھی خیال رکھنا ہوگا۔ آزاد کشمیر، گلگت اور بلتستان کے عوام میں سے ایک بھی بھارت کے ساتھ الحاق کے حق میں نہیں ہو سکتا۔ اس لئے پوری ریاست جموّں و کشمیر کی تقریباً ایک کروڑ بیس لاکھ کی آبادی میں بڑی مشکل سے پچیس لاکھ ووٹ ہو سکتا ہے کہ پاکستان کو نہ ملیں۔ لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ بھارت کو ملیں۔ اس لئے استصواب کے ذریعے فیصلہ سراسر پاکستان کے حق میں ہوگا اسی لئے تو بھارت کشمیر میں استصواب رائے کرانے کے لئے خوفزدہ ہے۔ اور تمام کشمیری اور پاکستانی بھارت سے اقوام متحدہ میں کئے گئے وعدوں کو یاد دلاتے ہیں۔ اور کشمیر کے عوام کی رائے جاننے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

دوسرا حل ہے۔ کشمیر کو ایک خود مختار مملکت بنانا۔ اس سلسلے میں کشمیری عوام کی رائے جاننا بھی ضروری ہوگا۔ ہمارے خیال میں مقبوضہ کشمیر میں صرف جموّں اور لدّاخ میں کوئی دس پندرہ فیصد آبادی اس کے حق میں ہو سکتی ہے۔ جب کہ وادیٔ کشمیر میں اُن کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہوگی۔ ہاں آزاد کشمیر میں دو تین فیصد لوگ شائد اس کے حق میں ہوں۔ جبکہ شمالی علاقہ جات گلگت و بلتستان میں شائد ایک آدمی بھی اس کے حق میں ووٹ نہ دے۔ ویسے خود مختار کشمیر بھارت کے لئے سود مند ہو سکتا ہے۔ اور اس کی یہی کوشش ہے کہ اگر کسی وجہ سے کشمیر کو آزاد کرنا ہی پڑے تو وہ خود مختار کشمیر کی شکل میں ہو۔ تا کہ اُسے ریشہ دوانیوں کے مواقع پھر بھی ملتے رہیں۔ کہتے ہیں امریکہ کے پلان کردہ "نیو ورلڈ آرڈر" میں بھی کشمیر کو خود مختار ملک کے طور پر رکھا گیا ہے۔ تا کہ یہاں پر بین الاقوامی سازشیں پنپتی رہیں۔ لیکن امریکہ روس کے بکھر جانے کے باوجود اُس کی اس علاقے میں سیاسی مداخلت سے قطع نظر نہیں کر سکتا اور جب چین اشتراکی توانائیوں کے ساتھ کشمیر سے روس کی نسبت زیادہ قربت میں موجود ہے تو امریکہ کا کشمیر کی خود مختار ریاست کے طور پر موجودگی پر زور دینا بیوقوفی ہوگی۔ اُس کی یقیناً یہ خواہش ہوگی کہ کشمیر کو اسطرح سے تقسیم کر دیا جائے کہ بھارت کسی نہ کسی طریقے سے کشمیر میں موجود رہے اور غالباً کشمیر کی تقسیم پر بھارتی حکومت کا درپردہ رضامند ہو جانا اسی بات کی دلیل ہے۔ جسے ہمیں ہر صورت میں ناکام بنانا ہے۔ ہمارے خیال میں اگر استصواب رائے میں تینوں متبادل تجاویز اکٹھی رکھی جائیں یعنی پاکستان، بھارت اور خود مختاری تو شائد بھارت کے حق میں مشکل سے

۵ بز فیصد ووٹ آئیں۔ اور خود مختار کشمیر کے حق میں دس پندرہ فیصد تک ووٹ پڑ سکتے ہیں۔ کشمیر دشوار گزار علاقوں کے مجموعے کا نام ہے جن کا آپس میں رابطہ بھی بہت مشکل ہے۔ حتیٰ کہ بیسویں صدی کی اس آخری دہائی میں بھی اکثر ایسے قریب تر علاقے بھی ہیں۔ جن کے درمیان زمینی راستے تک نہیں ہیں۔ اور موسم سرما میں تو موسم کی شدت اور برف کی زیادتی کی وجہ سے یہ تمام علاقے تقریباً چھ ماہ تک آپس میں بالکل کٹے رہتے ہیں۔ پھر ان میں مختلف زبانیں بولنے والی مختلف نسلوں کی مختلف معاشرتی، مذہبی عقائد رکھنے والی قومیں آباد ہیں۔ جن کے آپس میں رابطے نہیں۔ اس لئے ایک خود مختار ملک کے طور پر اس کے مختلف علاقوں کا آپس میں اتحاد رکھنا شائد ممکن نہ ہو سکے۔ کیونکہ پاکستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ لگنے والی کشمیر کی سرحد کے لوگوں کے روابط کشمیر کے اپنے لوگوں سے زیادہ پاکستانی لوگوں سے ہیں۔ مثلاً کٹھوعہ جموّں کے لوگوں کا رہن سہن اور زبان سیالکوٹ ضلع کے لوگوں سے ملتا ہے۔ تو میرپور، بھمبر منگلا کے علاقے کے لوگوں کا گجرات اور جہلم کے لوگوں سے رابطہ ہے۔ پونچھ، باغ راولاکوٹ کے لوگوں کا رہن سہن اور زبان راولپنڈی کے پوٹھوہاری لوگوں سے متصل ہے۔ تو مظفر آباد اور اٹھمقام کی طرف کے لوگوں کے مانسہرہ اور ایبٹ آباد کے لوگوں سے باہم تعلقات رکھتے ہیں۔ گلگت اور ہنزہ کے عوام کا رنگ روپ اور زبان چترال اور دیر کے لوگوں سے ملتی جلتی ہے۔ کیونکہ کشمیر کے مختلف علاقوں کو پاکستان سے ملانے والی شاہراہیں ہی کے ذریعے اُن کے تعلقات بیرونی دنیا تک تھے۔ جو آج بھی ہیں۔ اس لئے پاکستان کا ایک حصہ ہونے کی صورت میں کشمیر کا ہر حصہ

پاکستان سے مربوط ہوگا۔ جبکہ خود مختار ہونے کی صورت میں کشمیر کے تمام علاقوں کے آپس میں لسانی، تہذیبی اور تمدنی رشتے وہ نہیں ہوں گے۔ جو اُسے ایک مضبوط ملک کے طور پر قائم رکھ سکیں۔ آج سے دو چار صدیاں پہلے کے حالات اور رسوم و رواج اور تمدن اب لوٹ کر نہیں آ سکتے۔ انسان اب اپنے علاقوں تک محدود نہیں رہ سکتا۔ مسلمان وطن کے حوالے سے نہیں بلکہ مذہب اور تہذیب کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔ اگرچہ رسل و رسائل کی کمی کو برقی مواصلاتی نظام کی فراوانی نے ختم کر دیا ہے۔ لیکن پھر بھی لوگوں کے آپس میں زمینی روابط ہی اُن کی معاشرتی تہذیبی اور تمدنی زندگی کی بنیاد ہیں۔ اس لئے کشمیر کے لئے پاکستان سے مل کر ترقی کرنے کے زیادہ امکانات ہیں۔ بہ نسبت ایک خود مختار ملک کے اور پھر بطور ایک خود مختار حکومت ملک کا موجودہ دور میں دفاع کرنا اور بھارت پاکستان، روس اور چین جیسے بڑے ممالک کے ساتھ توازن قائم رکھنا شائد اتنا آسان نہ ہو۔ اس لئے خود مختار کشمیر کسی طرح بھی کشمیری عوام کے لئے سود مند نہیں ہو سکتا۔ دراصل خود مختار کشمیر کا نعرہ لگانے والے پاکستان کو کمزور کرنا چاہتے ہیں۔ یا یہ نعرہ لگا کر اپنی "نیوسنس ویلیو" کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا بیان کردہ آخری حل بھی کشمیر لوگوں اور پاکستانیوں کو کسی طور بھی قبول نہیں ہو سکتا۔ کشمیری کشمیر کے پاکستان سے الحاق سے دست بردار کبھی نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ہی پاکستان کسی صورت بھی کشمیر کو بھارت کی جھولی میں ڈال سکتا ہے۔ بھارت حیدرآباد اور دوسری ریاستیں ہڑپ کر گیا۔ تو پاکستان نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اس لئے کہ اُن ریاستوں کے عوام کی اکثریت ہندو تھی۔ حالانکہ اُن میں کئی

ریاستوں کے حکمران مسلمان تھے اور انہوں نے پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان بھی کیا۔ اس لئے اس دور میں پاکستان کا کشمیر کی سیاست سے نکل جانا کسی طور پر بھی ممکن نہیں۔ اب موجودہ دور کی ایک اہم تجویز ہے جس کے تحت وادی کو خود مختار کر دیا جائے۔ اور جموں اور باقی علاقوں کو بھارت اور پاکستان میں تقسیم کر دیا جائے۔ ہمارے خیال میں یہ تجویز بھی ناقابلِ عمل ہے۔ اور صرف وادی کشمیر کو خود مختار بنانے اور سارے کشمیر کو خود مختار ملک بنانے میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ وادی کی تمام آبادی جو مسلمان ہے۔ گھٹن کا شکار رہے۔ اور اپنے تمام وسائل کے لئے بھارت اور پاکستان دونوں کی محتاج بنی رہے۔

ان کے علاوہ تمام تجاویز کشمیر کو تقسیم کرنے کی ہیں۔ جو کشمیری قوم کسی طور پر برداشت نہیں کر سکتی۔ ہر کشمیری اپنی ریاست کو ایک وحدت کے طور پر قائم رکھنا ضروری خیال کرتا ہے۔ ہندو اکثریت والے علاقوں کے غیر مسلم لوگوں کو بھارت ورغلانے کی کوشش ضرور کر رہا ہے۔ لیکن وہاں کے لوگ پوری طرح سے جانتے ہیں۔ کہ اُن کا مستقبل بھی پاکستان کے ساتھ رہنے میں ہی زیادہ محفوظ ہے۔ کشمیر سے ملنے والی بھارتی سرحد پر سکھوں کی سول نافرمانی اور اُن کا اپنے اُس علاقے کو خود مختار ملک خالصتان بنانے کی جدوجہد ضرور بار آور ہو گی۔ کیونکہ بھارتی حکومت میں برسرِ اقتدار ہندوؤں نے جس طرح سکھوں کے مذہب کی بے حرمتی کی ہے۔ وہ سکھ قوم کسی طرح بھی ہضم نہیں کر سکتی۔ اس لئے انہوں نے ہر قیمت پر اپنی آزاد مملکت بنانے کا عزم کر لیا ہے۔ ایسے حالات میں کشمیر کا

بھارت سے ملنا کسی طرح بھی کشمیری عوام کے لئے خواہ وہ ہندو ہوں سودمند نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلے میں کچھ ذمہ داری کشمیری مجاہدین پر بھی عائد ہوتی ہے۔ کہ وہ کشمیر میں ہندو اقلیت کے بارے میں اپنی پالیسیوں کی وضاحت کر دیں۔ اور انہیں یقین دلائیں کہ کشمیر کے پاکستان سے الحاق کی صورت میں اُن کے مال و جان کو پورا تحفظ میسّر ہو گا۔ اب موجودہ حالات سے اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں۔ کہ کشمیریوں کو پاکستان سے الحاق کرنے کا حق بھارت سے دلایا جائے۔ جو اُس نے پچھلے چوالیس سال سے چھین رکھا ہے۔

آج کل پوری ریاست جموں و کشمیر کی مذہب کے لحاظ سے آبادی مندرجہ ذیل ہے۔

مسلمان ——— ۹۷ لاکھ

غیر مسلم ——— ۲۳ لاکھ

تفصیل

ہندو کشمیری پنڈت ——— ۲۔ لاکھ

لداخی بدھ ——— ۱۔ لاکھ

سکھ ——— ۲۔ لاکھ

ہندو ڈوگرے پنجابی ——— ۱۸۔ لاکھ

کشمیر میں استصوابِ رائے

کشمیر میں بھارت یا پاکستان سے الحاق کرنے کیلئے استصوابِ رائے تو ضرور ہونا چاہیے۔ لیکن ان قرار دادوں کے مطابق نہیں۔ جو آج سے تینتالیس سال پیشتر سلامتی کونسل میں منظور کی گئی تھیں۔ کیونکہ اتنے عرصے میں حالات تبدیل ہو چکے ہیں۔ ان حالات میں اُن شرائط پر پوری طرح عمل پیرا ہونا ممکن نہیں۔

سب سے پہلے تو یہ بات قابلِ غور ہے کہ بھارت نے کشمیر میں جو غیر کشمیری آباد کر رکھے ہیں۔ اُن کو کشمیریوں سے علیحدہ کیسے کیا جائیگا۔ قرار داد کے مطابق بھارت کو انہیں ریاست سے نکال لینا چاہیے۔ کیا بھارت ایسا کرے گا۔ کبھی نہیں۔؟ کیونکہ انہیں تو اُس نے سازش کے تحت وہاں آباد کیا ہے۔ کشمیر سے ہجرت کر کے پاکستان یا بھارت میں آباد ہونے والے کشمیریوں کو حقِ استصواب کیونکر دیا جاسکے گا۔ اور اُن کی رائے جاننے کے لئے کون بندوبست کرے گا؟ کیا وہ واپس ریاست میں آنے پر تیار ہوں گے۔ چوالیس سال گزر جانے کے بعد اب یہ کیسے ممکن ہوگا۔

اس کے بعد ہمیں ان شرائط پر بھی غور کرنا ہوگا۔ جو اُن قرار دادوں میں موجود ہیں۔ یعنی پاکستان اور بھارت دونوں اپنی فوجیں کشمیر سے نکال لیں گے۔ صرف بھارت کی کچھ فوج کشمیر میں رہے گی۔ اس کا تعین نہیں کیا۔ اس شرط کو پورا کرتے ہوئے پاکستان خود ہی کشمیر پر بھارت کو قبضہ نہیں دے دے گا؟ کیونکہ بھارت سے کسی بھلائی کی توقع رکھنا ہمارے لئے عبث ہے۔ اور اقوام متحدہ کے نمائندوں کی کارکردگی بھی ہمارے سامنے ہے۔ ان شرائط میں ایک یہ بھی ہے کہ اقوام متحدہ کی زیرِ نگرانی استصواب رائے کرانے کے لئے کشمیر کی نمائندگی صرف سری نگر کی حکومت کرے گی۔ کیا مقبوضہ کشمیر میں پہلی حکومتیں اس قابل تھیں کہ ہم اُن پر اعتماد کر سکتے یا اب گورنر یا فوجی دستے کسی طرح بھی کشمیریوں کی نمائندگی کے اہل ہو سکتے ہیں۔ اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات گلگت و بلتستان میں موجود ہمارے انتظامی ڈھانچے کی کیا حیثیت ہوگی اور ان علاقوں میں ہمارے مفادات کا تحفظ کون کرے گا۔ بھارت کی باقی ماندہ فوج کی کارکردگی پر ایک طرح سے جس کا تعین مقبوضہ کشمیر کی حکومت کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اعتماد کیسے کیا جا سکے گا۔ جب کہ کشمیری قوم کا ہر فرد اُن سے متنفر ہے۔ اور انہیں ایک لمحے کے لئے بھی اپنی سرزمین پر دیکھنا نہیں چاہتا۔ انہی قرار دادوں کے مطابق کشمیر میں تمام انسانی اور سیاسی حقوق کی ضمانت دی گئی تھی۔ کیا بھارتی فوج اور حکومت اس وقت کشمیر میں جو رول ادا کر رہی ہے اسکی روشنی میں بھارت پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے ہمیں یہ مطالبہ بھی کرنا ہوگا۔ کہ کشمیر کے مسئلے کو مستقل بنیادوں پر

حل کرنے کے لئے کشمیریوں کو اپنی رائے کے اظہار کرنے کا موقع دیا جائے لیکن اس سلسلے میں موجودہ حالات کے مطابق نئے طریقہ کار کا اعلان بھی کیا جائے۔ کشمیری بھارتی فوجوں کی کسی تعداد کو بھی کشمیر میں رکھنے پر راضی نہیں ہو سکتے۔ رائے شماری کے لئے دونوں ممالک کی فوجیں کشمیر سے نکل جائیں اور اُن کی بجائے غیر جانب دار ملکوں کی فوجیں کشمیر میں تعینات کی جائیں۔ ہاں آزاد کشمیر و شمالی علاقہ جات کی مقامی پولیس اور فوجی یونٹیں اور مقبوضہ کشمیر میں مقامی پولیس بے شک موجود رہے اور رائے شماری کا انتظام کرنے میں بین الاقوامی ایجنسیوں کی مدد کرے۔ جو ایسے انتظامات کر رہی ہوں۔ اُن مہاجرین کو جو بھارت یا پاکستان میں آباد ہوں۔ ووٹروں کی فہرستوں میں شامل کیا جائے۔ اور اُن کی رائے معلوم کرنے کے لئے انہی ممالک میں اقوام متحدہ کے غیر جانب دار ملکوں کے نمائندے متعین کئے جائیں۔ اور مقامی ملکوں کی حکومتوں کی اُن میں قطعاً کوئی دخل اندازی نہیں ہونی چاہیے۔

موجودہ تحریکِ آزادئ کشمیر

آیئے! اب ہم آزادئ کشمیر کی موجودہ تحریک، اُس کے محرکات اور تازہ ترین صورتِ حالات کے بارے میں گفتگو کریں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ کہ اس تحریک کو کشمیر کی موجودہ نسل کے نوجوانوں نے افغان مجاہدین کے روس جیسی بڑی طاقت کے خلاف جہاد کرنے اور پھر اُسے شکستِ فاش دینے پر شروع کیا۔ پچھلی ایک دہائی سے کشمیر کے نوجوانوں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔ کہ کشمیر کے سیکولر ذہن رکھنے والے لیڈروں نے کشمیر کا بھارت سے الحاق کر کے کشمیریوں پہ زیادتی کی ہے۔ بھارت کشمیر میں مسلم اکثریت ہونے کی وجہ اُسے خصوصی مراعات دینے پر مجبور تو تھا۔ لیکن درپردہ وہ ان تمام طریقوں پر عمل کر رہا تھا۔ جس سے بتدریج کشمیر میں مسلم اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر سکے اور اپنے مطلوبہ نتائج حاصل کر سکے۔ کشمیر میں غیر کشمیریوں کی آباد کاری اور کشمیر سے مختلف ذرائع سے کشمیریوں کا انخلاء اس بات کا بیّن ثبوت تھا۔ پھر کشمیری نوجوان میں سیکولر ذہن ابھارنے کے لئے جنسی بے راہ روی، منشیات کا استعمال، فحش

لٹریچر کی تقسیم سے لے کر اسلامی شعائر سے بیزاری کا پراپیگنڈہ کیا جا رہا تھا۔ کشمیر کے غیرت مند مسلمان نوجوانوں نے اس کے خلاف جہاد کر دیا اور نوجوانوں کو ایسی چیزوں سے بچانے کے لئے تحریکیں شروع کی گئیں سیاسی جماعتوں میں جماعت اسلامی نے اس میں اہم رول ادا کیا۔ اور اس کے لیڈر جناب سیّد علی شاہ گیلانی نے جرأت سے بھارتی حکومت کو للکارا۔ چنانچہ افغانستان کی تحریک آزادی میں کشمیری نوجوانوں نے عملی طور پر شرکت کی اور گوریلا ٹریننگ حاصل کی۔ ماہ و سال کی مسلسل جدوجہد سے افغان عوام جب روسی فوجوں کو اپنے ملک سے نکال نے میں کامیاب ہو گئے۔ تو کشمیری نوجوانوں نے بھی اپنی لائینوں پر بھارت کے خلاف اپنی آزادی کی تحریک چلانے کا عزم کر لیا۔ اُنہوں نے جب افغان مجاہدین سے اس کے بارے میں مشورہ کیا تو اُنہوں نے نہ صرف ہر قسم کی امداد کرنے کی حامی بھری بلکہ ذاتی طور پر اُن کے جہاد میں شمولیّت کی بھی پیشکش کی۔ ادھر پاکستان میں جنرل ضیاء الحق جہاں افغان مجاہدین کو ہر قسم کی فوجی اور مالی امداد مہیّا کر رہے تھے۔ وہاں اُنہوں نے ان کشمیری مجاہدین کو بھی اُن کی آزادی کی کوشش میں ہر قسم کی مدد دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن شرط دہی تھی کہ یہ تحریک مکمل طور پر کشمیر سے اٹھے گی اور تمام کشمیری اس میں خود شامل ہوں گے۔ تو کامیاب ہوگی۔ چنانچہ کشمیر میں آزادی کی تحریک شروع کر دی گئی۔ یہ تحریک بھی افغانستان کی طرح مختلف گروپوں نے شروع کی۔ ان گروپوں کا نقصان اپنی جگہ پر لیکن ایک فائدہ بھی ہے کہ ہر گروپ اپنے اثر و رسوخ کے علاقوں میں کاروائیاں کرتا ہے۔ جس سے تحریک کا عوام سے بھی رابطہ رہتا ہے۔ اور پھر

کسی ایک گروہ کا قابض فوجیوں کی سازشوں کے شکار ہو جانے پر یا اپنے مؤقف سے ہٹ جانے سے بھی تحریک پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مختلف گروہ تقابلی کارکردگی کی وجہ سے تمام کاروائیوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے ہیں۔ اور کسی گروہ کا کسی وجہ سے بھی دشمن سے مل جانا تحریک کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور پھر مختلف سیاسی اور نظریاتی ذہن رکھنے والے لوگ اپنی اپنی کارکردگی دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مقبوضہ کشمیر میں جب یہ تحریک چلی۔ تو عوام نے بھی اچھے ردّ عمل کا اظہار کیا۔ کیونکہ وہ بھارتی حکومت کی اسلام دشمن پالیسیوں اور مقامی کٹھ پتلی حکومت کی غیر صحت مندانہ اور کشمیریوں کے مفاد کے خلاف کاروائیوں سے بیزار ہو چکے تھے۔ لیکن پھر بھی حسبِ دستور کچھ لوگوں نے بھارتی اور مقامی حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مخبری شروع کر دی۔ اور ایسے مجاہدین کی نشان دہی کرنے لگے۔ بھارتی فوج کو مجاہدین کے خلاف کاروائی کرنے کے کھلے اختیار مل چکے تھے۔ اس لئے اُنہوں نے مجاہدین کے عمل کی سزا دینے کے لئے اور اپنا رعب جمانے کے لئے بے قصور عوام پر بھی جبر اور ظلم شروع کر دیا۔ جس کا فائدہ بھی تحریک کو ملا۔ اور عوام دن بدن بھارتی حکومت سے متنفر ہوتے گئے۔ دوسری طرف مجاہدین نے ایسے تمام مخبروں کے خلاف کاروائیاں شروع کر دیں اور اُنہیں سخت سزائیں دیں۔ جس سے حکومت کے ہمدرد لوگ وادی چھوڑ کر چلے گئے۔ اور جو تذبذب کی حالت میں تھے۔ اُن کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ اپنے دوغلاپن سے تائب ہو گئے۔ پھر آہستہ آہستہ تحریک میں خواتین بھی شامل ہو گئیں۔ خواتین کے شمولیّت کے بعد بچّے بھلا کیسے علیحدہ رہ سکتے تھے۔ چنانچہ ہر بھارتی ظلم

پر خواتین احتجاج کے لئے نکل آتیں اور پرامن طریقے پر احتجاج کے بعد اقوام متحدہ کے نمائندوں کو بھارتی مظالم کی یاداشتیں پیش کرتیں اور دنیا کی آزاد اقوام کو کشمیر میں بھارتی مظالم کے خلاف کارروائی کرنے کی دعوت دیتیں۔ کشمیری قوم پوری کی پوری جب اس جہاد میں شریک ہو کر اپنے حق خودارادیت کا مطالبہ کرنے لگی تو بھارتی فوجیوں نے مظالم مزید تیز کر دیئے۔ بین الاقوامی پریس کے نمائندوں کا داخلہ کشمیر میں بند کر دیا گیا۔ گورنر راج تو کافی پہلے سے نافذ کر دیا گیا تھا۔ اور الیکشن بھی کشمیر میں اسی تحریک کی وجہ سے نہ کرائے گئے۔ گورنر تبدیل ہوتے رہے۔ فوجی کارروائیاں بڑھتی گئیں۔ کشمیری لوگوں کی زندگیاں دوبھر ہوتی گئیں۔ بھارتی فوجی تلاشی کے بہانے عورتوں کی عصمت دری کرنے لگے۔ نوجوانوں کو دیکھ کر گولی مار دی جاتی یا انہیں پکڑ کر جیلوں میں بند کر دیا جاتا۔ جہاں پر انہیں اذیتیں دی جاتیں۔ حتیٰ کہ بچوں اور بوڑھوں کو بھی نہ بخشا جاتا۔ حریت پسندوں کی تلاش کرنے کے بہانے راتوں کو لوگوں کو پریشان کیا جاتا۔ گاؤں کے لوگوں کو فوجی قتل کرنے لگے۔ عورتوں کی اجتماعی عصمت دری کے کئی واقعات ہوئے ایسے ظلم بھارتی فوجی کرنے لگے۔ جو شائد دنیا میں آج تک کہیں نہیں کئے گئے۔ نوجوان مردوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ ان تمام مظالم کا نتیجہ الٹا ہی نکلا۔ اور تمام کشمیری اپنی کشتیاں جلا کر بھارت کے خلاف جہاد میں شامل ہوتے گئے۔ وہ ہر موقع پر پاکستان کے حق میں نعرے لگانے لگے۔ اور پاکستانی پرچم لہرانے لگے۔ پھر اس جہاد نے نئی کروٹ لی اور کشمیری قوم جو دفاعی موڈ میں تھی۔ اب بڑھ کر جارحانہ حملے کرنے

لگی۔ حریت پسندوں نے فوجی کیمپوں اور گاڑیوں پر حملے شروع کر دیئے ہر روز کہیں نہ کہیں وہ کوئی نہ کوئی کارروائی ضرور کرنے لگے۔ بھارتی فوجی ظلم و ستم میں انتہا کو پار کر گئے تھے۔ اب اُن کے ہوش ٹھکانے پر آنے لگے اور اُن پر دہشت چھانے لگی اور اُن کے حوصلے پست ہونے لگے۔ ادھر حریت پسندوں کے حوصلے بلند ہونے لگے۔ ہر گروہ اپنی کارکردگی دکھانے کے لئے بڑھ چڑھ کر فوجیوں کو نقصان پہنچانے لگا۔ کشمیر کا علاقہ تو اس طرح کی سطح مرتفع ہے۔ کہ اس کی مسلسل ناکہ بندی ممکن ہی نہیں ہزاروں کشمیری نوجوان ٹریننگ کے لئے افغانستان کی طرف نکل جاتے اور چھ ماہ کی ٹریننگ کے بعد خود کار ہتھیار اور ضروری گولہ بارود لے کر تازہ دم آنے لگے۔

بھارت نے کئی گروپ لیڈروں کو پکڑ کر جیلوں میں بند کر رکھا ہے اور کئی شہید کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن ان گروپوں کی نہ تو لیڈر شپ میں کمی آئی ہے اور نہ اُن کی کارکردگی میں کوئی فرق پڑا ہے۔ کیونکہ اُن کی جگہ لینے والے تازہ دم لوگ موجود ہیں۔ گرفتار شدہ لیڈروں میں جموں کشمیر پیپلز لیگ کے سید شبیر احمد شاہ، جماعت اسلامی کے سید علی شاہ گیلانی، مسلم متحدہ محاذ کے مولانا محمد عباس انصاری، تحریک حریت کشمیر کے میاں عبدالقیوم، پیپلز کانفرنس کے عبدالغنی لون، لبریشن فرنٹ کے محمد یٰسین ملک کو بھارت کی مختلف جیلوں میں رکھا گیا ہے۔ اور انہیں جسمانی اور ذہنی اذیتیں دی گئی ہیں۔ لیکن کوئی ظلم بھی اُن کے پائے استقلال میں لرزش نہیں پیدا کر سکا۔ کئی گروپ لیڈروں کو شہید کر دیا گیا۔ جس میں اشفاق حمید وانی، محمد عبداللہ مھنگرو کے علاوہ سینکڑوں دوسرے مجاہدین شامل ہیں۔ لیکن اُن کی جگہ کئی اور سرفروش پیدا ہو گئے ہیں۔

بھارت کے ان تمام فوجی اور نیم فوجی دستوں کے ظلم وستم کی داستانیں پابندی کے باوجود دنیا کے پریس میں پہنچنے لگی ہیں۔ جس سے بھارت کی جمہوریت اور انسان دوستی کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ رہا ہے۔ اور ہر آزاد اور غیر جانبدار ملک بھارتی حکومت کی ان کارروائیوں کی مذمت کرنے لگا ہے۔ حتیٰ کہ بھارتی پریس میں بھی کشمیریوں کے حق میں اور اُن پر ظلم کی داستانوں پر نفرت کا اظہار ہونے لگا ہے۔ بُرے سے بُرا آدمی بھی بالآخر ظلم کرتے کرتے کبھی نہ کبھی شرمندگی محسوس کرنے لگتا ہے۔ لیکن بھارتی حکومت میں تو شائد ایسا کوئی گوشہ ہی نہیں۔ جو ضمیر کی آواز کی طرف توجہ دے۔ ان حالات میں کشمیر کے اُن فرزندوں اور بیٹیوں کے حوصلوں کو سلام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ جو اپنی آزادی کے لئے ہر قربانی دینے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اور دنیا کے وہ لوگ جو کشمیری عوام کو بزدلی کے طعنے دیا کرتے تھے۔ دانتوں میں انگلیاں دبائے اُن کی بہادری کی داستانیں سن کر حیران ہیں۔ اب ہمیں یہ یقین ہے کہ بھارتی حکومت اُن کے ان آہنی عزائم کے سامنے زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتی۔ اور بالآخر اُسے اس قوم کو اپنا مستقبل خود انتخاب کرنے کا حق دینا پڑے گا۔ جو یقیناً پاکستان سے الحاق کی شکل میں ہوگا۔ کیونکہ اس کا اظہار اُن کے ہر عمل سے ظاہر ہوتا ہے

اس تحریک میں ایک بات بڑی قابلِ غور ہے۔ کہ کشمیر کا علاقہ محدود وسائل کا علاقہ ہے۔ جس میں زیادہ تر غریب اور متوسط طبقے کے لوگ رہتے ہیں۔ جن میں زیادہ تعداد کارکنوں اور کاشتکاروں کی ہے پچھلے دو سال سے تحریک میں بڑی شدت آ گئی ہے۔ جس کی وجہ سے کاروبارِ زندگی بھی کافی حد تک متاثر ہوا ہے۔ کشمیر کی معیشت کا زیادہ تر

دارومدار سیاحت کا مرہونِ منت تھا۔ جو اسی تحریک کی وجہ سے بند ہے۔ اس لئے عام شخص کی آمدنی پر اس تحریک کے گہرے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ اس لئے مقبوضہ کشمیر کے حالات کا تقاضا ہے۔ کہ انہیں باہر سے مالی امداد بھی مہیا کی جائے۔ پھر بھارتی حکومت نوجوانوں کو پکڑ کر بھارت کی دور دراز کی جیلوں میں بھیج دیتی ہے۔ اکثر کے اعضا کاٹ کر انہیں معذور بنا دیا جاتا ہے۔ کئی خاندان مالی پریشانیوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔ جن کا سہارا ہی ایسے نوجوان ہوں۔ اس لئے اس تحریک کو زندہ رکھنے کے لئے اور اُسے اپنے منطقی انجام تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ کشمیر کے باہر کے ممالک بشمول پاکستان اور دوسرے اسلامی ممالک اُن کی مالی اور اسلحہ سے امداد کرتے رہیں۔ کیونکہ لمبی تحریک ہی کامیابی کی دلیل ہو سکتی ہے۔ اور بڑی سے بڑی مضبوط حکومت بھی ایسی تحریکوں کا زیادہ عرصے کے لئے مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بھارت کی حکومت کو بہت جلد ہی کشمیریوں کے مطالبے پر سر کو جھکانا پڑے گا کیونکہ وہ ایک ایسی دلدل میں پھنس چکی ہے۔ جس سے اُس کا چھٹکارا ممکن نہیں۔ روس کی حکومت کی پھر داد دینی پڑتی ہے جس نے افغانستان کے لوگوں کے عزم کو دیکھ کر اپنی فوجوں کو افغانستان سے واپس بلا لیا۔ اگرچہ اُس نے ابھی اپنی انا کو قائم رکھتے ہوئے افغانستان میں اپنی مداخلت بند نہیں کی اور وہ کٹھ پتلی حکومت کی ابھی تک پشت پناہی کر رہا ہے۔ لیکن نجیب اللہ کی حکومت کا دائرہ کار کہاں تک ہے۔ صرف چند شہروں کی میونسپل حدود کے اندر۔ وہ بھی صرف دن کے وقت کشمیر میں بھی بہت جلد وہ حالات پیدا ہونے والے ہیں۔ جب سارے کشمیر

پر حریت پسندوں کی حکومت ہو گی۔ اور فوجی کمانڈر اپنے کیمپوں یا چند شہروں کی حدود تک محدود ہو جائیں گے۔ وہ بھی دن کے وقت اور روس کی طرح بھارت بھی ایسے انتشار سے دوچار ہو گا۔ جیسے روس ہوا۔ اور بھارت سے آزادی حاصل کرنے والی تمام تحریکیں کامیاب ہوں گی۔ اور بھارت روس کی ٹکڑوں میں بٹ جائے گا اور مہجور کا وہ شعر سچا ہو گا جس میں اس نے اسی وقت کی پیش گوئی کی تھی ۔

کشیریٚ مشرقس بیدار کرہٚ وزناوہ وقتس پیٹھ
یرآو کاشرن ہندین کنن منزوانہ ماوان چھم

"وقت آئے گا کشمیر اہلِ مشرق کو بیدار کرے گا۔ مجھے یہی پیغام کشمیریوں تک پہنچانا ہے"

اس تحریکِ آزادی کے سلسلے میں بھارت یہ دعویٰ کر رہا ہے۔ کہ اس تحریک کا زور صرف وادیٔ کشمیر تک محدود ہے۔ اور وہ بھی پاکستان کی وجہ سے جس نے اپنے گوریلے وادی میں داخل کر رکھے ہیں جو یہ تمام توڑ پھوڑ کر رہے ہیں۔ جب کہ دوسرے علاقوں میں اس تحریک کا کوئی وجود نہیں۔ جیسے جموّں اور لدّاخ میں۔ بھارت کے صرف توڑ پھوڑ کے دعوے میں تو کوئی صداقت نہیں۔ کیونکہ بات توڑ پھوڑ سے کہیں آگے جا چکی ہے۔ لیکن اس بات میں کسی حد تک فرور صداقت ہے کہ آزادی کی اس تحریک کا مسلم اقلیّت والے علاقوں میں کوئی خاص زور نہیں۔ اس کی بھی وجوہات ہیں۔ بھارت کو شروع سے ہی شیخ عبداللہ کی پوری ہم نوائی کے باوجود وادی کے کشمیریوں پر اعتماد نہیں ہوا۔ اور بھارتی حکومت یہ سمجھتی رہی ہے کہ وہ کسی وقت بھی بھارت کو دھوکہ

دے سکتے ہیں۔ اس لئے بھارتی حکومت نے شروع سے ایسی پلاننگ کر رکھی ہے۔ جس سے وادیٔ کشمیر کے لوگوں کو کم سے کم فائدہ ہو۔ جبکہ جموّں اور لدّاخ کے ہندوؤں اور بودھوں کو زیادہ فائدہ پہنچے۔ چنانچہ وادیٔ کشمیر کو پونچھ سے ملانے والی سڑک تو آج تک نہ بن سکی۔ اور سری نگر سے پونچھ جانے کے لئے جموّں کے راستے طویل سفر طے کر کے کافی زیادہ وقت صرف کر کے جانا پڑتا ہے۔ جبکہ جموّں کے کٹھوعہ ضلع میں گورداسپور پٹھان کوٹ کو ملانے والی دو سڑکیں موجود ہیں۔ اور لدّاخ میں لیہ کو براہِ راست ہماچل پردیش سے ملانے والی شاہراہ بھی تعمیر کی گئی ہے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے جموّں کا صوبہ بھی مسلم اکثریت کا صوبہ تھا۔ لیکن ۱۹۴۷ء کے فسادات نے جن سنگھ پارٹی کے ایما پر مہاراجہ کشمیر نے پنجاب کی سکھ ریاستوں سے سکھوں کے جتھے منگوائے جنہوں نے جموّں کے علاقے میں مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ اور مسلمانوں کو جموّں کے کیمپوں میں جمع کر کے پاکستان سیالکوٹ بھجوانے کا جھانسہ دے کر اجتماعی طور پر قتل کرا دیا۔ اس افراتفری میں لاکھوں مسلمان جموّں سے پاکستان چلے آئے۔ اس وجہ سے جموّں مسلم اقلیّت والا علاقہ بن گیا۔ لدّاخ کا علاقہ تبّت سے ملتا ہے۔ اور اس کی آب و ہوا شدّید تر ہے۔ علاقے میں آبادی بہت ہی کم ہے۔ عام علاقہ بھی سترہ اٹھارہ ہزار فٹ کی بلندی سے لیکر نو دس ہزار فٹ کی بلندی تک ہے۔ ہر طرف سردیوں میں برف اور گرمیوں میں ریت کا راج ہوتا ہے۔ درخت اور ہریاول کہیں نام کو نہیں۔ سوائے دریاؤں اور نالوں کے کنارے چند مقامات کے جہاں پر زیادہ تر بودھ آباد ہیں۔ مسلمان بھی ہیں۔ لیکن کم۔ ہاں کرگل کے علاقے میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ بھارت شروع سے ہی

ان علاقوں کے غیر مسلموں کو وادی کے مسلمانوں کے خلاف اکساتا رہا ہے چنانچہ جموّں میں اکثر مسلمانوں کے خلاف جلوس بھارتی حکومت کی ایما پر نکالے جاتے رہے ہیں۔ کشمیر کی حکومت کا سردیوں کا دارالحکومت جموّں ہوتا ہے۔ ہر سال سردیوں میں کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ دیا جاتا رہا ہے۔ اسی طرح لدّاخ دلیہ) میں اکثر مسلمان دوکاندار موجود ہیں۔ جن کے خلاف آئے دن بھارتی حکومت فسادات کراتی رہی ہے۔ دو سال پہلے لیہ میں کافی فسادات ہوئے۔ جس میں کئی مسلمان مارے گئے۔ اور اُن کی املاک کو نقصان پہنچایا گیا۔ بھارتی حکومت ان علاقوں کے لوگوں سے یہ ایجی ٹیشن کرا رہی ہے کہ انہیں سری نگر کی حکومت پر اعتماد نہیں اس لئے انہیں براہِ راست بھارتی حکومت کے تحت رکھا جائے۔ بھارتی حکومت ان علاقوں کو کشمیر سے علیحدہ کر کے براہِ راست اپنے کنٹرول میں لینا چاہتی ہے۔ لیکن حالات سازگار نہیں ہو سکے۔ کیونکہ براہِ راست مرکزی حکومت کے تحت علاقوں کو رکھنا ممکن نہیں اور ان علاقوں سے ملحقہ بھارتی صوبے ہیں۔ پنجاب اور ہماچل پردیش۔ جموّں کے ڈویژن میں چھ اضلاع ہیں۔ جن میں تین اضلاع یعنی کٹھوعہ، جموّں اور ادھم پور میں ہندو واضح اکثریت میں ہیں۔ اور یہی اضلاع پنجاب سے ملحق ہیں لیکن پنجاب کی انتظامی صورتِ حال سکھوں کے ایجی ٹیشن کی وجہ سے دگرگوں ہے۔ بلکہ کشمیر سے بھی زیادہ خراب ہے۔ اس لئے بھارت کے لئے ان علاقوں کو پنجاب سے ملانا ممکن نہیں۔ جبکہ ڈوڈہ کا ضلع مسلم اکثریت کا ہے۔ اور وادیٔ کشمیر سے متصل ہے۔ اسی طرح پونچھ اور راجوری کے اضلاع بھی مسلم اکثریت کے ہیں اور پنجاب سے منسلک

نہیں ہو سکتے۔ لدّاخ کے بودھ اگرچہ بھارتی حکومت کے ورغلانے میں آجاتے ہیں۔ لیکن وہ بھارتی حکومت سے اتنے خوش بھی نہیں۔ ۱۹۶۲ء کی جنگ میں لدّاخ کا اچھا خاصا علاقہ چین نے بھارت سے چھین لیا تھا جو اب تک چین کے قبضے میں ہے۔ جس کے راستے چین نے تبت سے ملنے والی سڑک تعمیر کر رکھی ہے۔ کشمیری حریت پسند اب آہستہ آہستہ اپنی کارکردگی کا دائرہ وسیع کر رہے ہیں۔ اور انہیں جموّں اور لدّاخ کے علاقے کے غیر مسلموں کو اعتماد میں لینا ہو گا۔ تاکہ اُن کے دلوں میں کشمیر کے پاکستان سے الحاق کی وجہ سے شبہات نہ رہیں۔ جو بھارت پیدا کرتا رہا ہے۔ اُن کو بھی کشمیر کی غیر یقینی صورتِ حال ختم کرانے کی اس تحریک میں شامل کرنا بہت ضروری ہے۔ تاکہ بھارت کے اس پراپیگنڈہ کا بھی مؤثر جواب دیا جا سکے۔

جدوجہدِ آزادیٔ کشمیر میں حکومتِ پاکستان کا کردار

پاکستان نے اگرچہ بھارت سے کشمیر کے مسئلے پر تین بڑی جنگیں لڑی ہیں۔ لیکن کسی میں بھی کبھی اپنی بھرپور شرکت کا کھل کر اعتراف نہیں کیا۔ پہلی جنگ ۱۹۴۷-۴۸ء میں لڑی گئی۔ جس وقت قائداعظم پاکستان کے گورنر جنرل تھے۔ انہوں نے پاکستانی فوجوں کے انگریز کمانڈر انچیف کو کشمیر میں بھارت کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا۔ لیکن اُس نے حکم ماننے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ وہ جائنٹ کمانڈ کے تحت ہے۔ اور اپنے سپریم کمانڈر انچیف کے حکم کے بغیر یہ جنگ نہیں لڑ سکتا۔ ظاہر ہے۔ کہ دہلی میں موجود کمانڈ بھارتی لیڈروں کو ناراض کس طرح کر سکتی تھی۔ جبکہ کشمیر کا سارا ڈرامہ ہندوستان میں موجود انگریز انتظامیہ کی مدد سے رچایا گیا تھا۔ محدود تعداد میں پاکستانی فوجی جوانوں اور افسروں نے اس جنگ میں ضرور حصہ لیا۔ لیکن انفرادی حیثیت سے۔ اسی طرح ۱۹۶۵ء کی جنگ ہوئی۔ جو ہم نے کشمیر کے حصول کے لئے ہی شروع کی تھی۔ لیکن وہ پورے پاکستان کی سرحدوں تک پھیل گئی۔ اور بالآخر معاہدۂ تاشقند پر جا کر ختم ہو گئی۔ اور کشمیر میں جنگ بندی لائن میں تھوڑا بہت ردوبدل

ہوا۔ پھر ۱۹۷۱ء کی جنگ ہوئی۔ جس میں مشرقی پاکستان میں مداخلت کر کے بھارت نے اُسے بنگلہ دیش میں تبدیل کر دیا۔ اور ہم رسوا ہو کر معاہدۂ شملہ کے تحت کشمیر کے مسئلے پر سودا کر کے نوّے ہزار جنگی قیدیوں کو چھڑا لائے۔ ہم ان تمام جنگی کوششوں میں جو ہم نے یک طرفہ طور پر وادی کے کشمیریوں سے مشورہ کئے بغیر شروع کی تھیں۔ اُن کے عدم تعاون کا گلہ کرتے رہے۔ تاآنکہ جنرل ضیاء الحق کی افغان پالیسی کی وجہ سے افغان مجاہدوں نے افغانستان میں روسی فوج کی آمد پر مزاحمت شروع کی اور بالآخر روسی فوج کو شکست دے کر افغانستان سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ افغانیوں کی اس بہادری کی وجہ سے دنیا کی سیاست کا نقشہ ہی بدل گیا۔ سارا مشرقی یورپ روس سے باغی ہوتا گیا۔ اور آخرکار روس کو مشرقی یورپ کے ممالک سے بھی دستبردار ہونا پڑا۔ پھر شکست و ریخت کا یہ سلسلہ اس حد تک چلا کہ روسی ریاستوں نے بھی کیمونسٹ نظام سے بغاوت کر دی اور اپنی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ایک طرح سے افغانی مجاہدوں نے کیمونزم کا جنازہ نکال دیا۔ اُن تمام نتائج نے کشمیری نوجوانوں میں حوصلہ پیدا کیا۔ ضیاء الحق کی پالیسیوں کی وجہ سے کشمیری حریت پسندوں کو افغانستان سے گوریلا ٹریننگ اور اسلحہ ملا۔ پاکستان کی بعض تنظیموں نے بھی کشمیری مجاہدین کی مدد کی۔ جس کی وجہ سے وہ بھارتی طاقت کے خلاف نبرد آزما ہونے کے قابل ہو گئے۔ پاکستان نے کھل کر کشمیری مجاہدین کی اخلاقی حمایت تو کی ہے۔ لیکن مادی امداد دینے کا اعتراف ابھی تک نہیں کیا۔ بھارت ۱۹۷۱ء میں کھل کر مشرقی پاکستان میں اپنی فوجیں اتار سکتا ہے اور پاکستان کے جائز اور قانونی حصے کو بنگلہ دیش

میں جنگ کے ذریعے تبدیل کر سکتا ہے تو پاکستان کشمیر کے متنازعہ علاقے کے مسلمانوں کی مدد کیوں نہیں کر سکتا۔ اس میں حکومتِ پاکستان کو قانونی دشواریوں کا سامنا ہو یا بین الاقوامی دباؤ کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکے لیکن بھارت کی مشرقی پاکستان میں فوجی مداخلت کے بعد اُسے پاکستان پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں اور نہ ہی بین الاقوامی قوّتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ اس پر کوئی اعتراض کریں۔ جب کہ انہوں نے پاکستان کے قانونی حصّے کو بنگلہ دیش بننے میں نہ کوئی رکاوٹ کھڑی کی اور نہ ہی کوئی اعتراض کیا۔
ابھی کل کی ہی بات ہے کہ امریکہ نے اقوام متحدہ سے ریزولیشن منظور کر کے کویت پر عراقی قبضے کو چھڑانے کے لئے عراق کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اور اُسے فاقہ کشی پر مجبور کر دیا۔ صرف اس لئے کہ اُسے کویت سعودی عرب اور عرب امارات میں اپنی مفادات کا تحفظ مقصود تھا۔ اور اس نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کو اپنا آلہ کار بنایا ہے۔ اگر وہ دنیا میں انصاف کا بول بالا چاہتا ہوتا۔ تو اقوام متحدہ کی منظور شدہ باقی قرار دادوں پر بھی عمل درآمد کراتا۔ اور کشمیری قوم کی کراہیں بھی اُسے سنائی دیتیں۔ اور وہ بھارت کو کشمیری قوم کا حق خود ارادی دینے کا پابند بناتا۔ لیکن ان بڑی طاقتوں کی تو ساری تگ و دو ہی اپنے ذاتی مفادات تک محدود ہے۔ جب تک امریکہ کو افغانستان میں روس کو شکست دینا مقصود تھی۔ وہ افغان مجاہدین کو ہر قسم کے ہتھیار اور مالی امداد دیتا رہا۔ جوں ہی روسی فوجیں افغانستان سے نکل گیئں اور روس نے امریکہ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے امریکہ نے افغانستان کے مجاہدین اور پاکستان سے آنکھیں موڑ لیں۔ اب اُسے اس سے کوئی دلچسپی نہیں رہی کہ افغانستان میں روسی کٹھ پتلی نجیب

کی حکومت رہتی ہے یا افغان مجاہدین کی حکومت بنتی ہے۔ بلکہ افغان مجاہدین کی خالص مسلم حکومت کا بننا اُسے منظور نہیں۔ اُس کی بجائے نجیب اللہ کی غیر اسلامی اور لبرل حکومت اُسے زیادہ فائدہ مند ہے۔ اسی طرح پاکستان سے اپنی ضرورت پوری کر لینے کے بعد پاکستان کی مدد کرنے کی کوئی مجبوری نہیں۔ بلکہ پاکستان کی روایتی انداز کی امداد بھی اس بہانے سے روک دی گئی ہے کہ وہ ایٹمی پروگرام ترک کر دے۔
جنگِ عظیم دوم کے بعد جب یورپی ممالک کی قوت ٹوٹ گئی۔ تو دنیا میں دو طاقتیں ظاہر ہوئیں۔ جن میں ایک امریکہ اور دوسری سوشلسٹ روس کی طاقت تھی۔ یہ زمانہ سائنسی ترقی کا زمانہ ثابت ہوا۔ اور روس اور امریکہ نے جرمنی کی سائنسی ترقی سے خوب فائدہ اٹھایا۔ جرمنی کو تقسیم کر کے اُس کے حصّے بخرے کر دیئے۔ اور سائنس کے ماہرین کو آپس میں بانٹ لیا اور انہیں اپنی کامیابیوں کو مزید آگے بڑھانے پر لگائے رکھا۔ ایٹمی توانائی کے استعمال کی نئی راہیں دریافت کرائیں۔ اور نئی نئی قسموں کے مہلک ہتھیار بنائے۔ دونوں ممالک کی ترقی کی رفتار اتنی تیز رہی۔ کہ دونوں ہی آپس میں ایک دوسرے سے خائف رہتے رہے۔ اس طرح سے دنیا کے نظام کو بھی انہوں نے دو حصّوں میں بانٹ لیا۔ سرمایہ داری نظام اور اشتراکی نظام اور ساری دنیا میں ان نظاموں کی حمایت کرنے والے لوگ دائیں اور بائیں سیاسی نظریات کے حامل قرار دیئے جانے لگے۔ دنیا میں کوئی سیاسی واقع رونما ہوتا۔ تو اگر ایک ملک اُس کی حمایت میں اٹھتا تو دوسرا اُس کے خلاف کھڑا ہو جاتا۔ اس طرح سے دنیا میں ایک توازن قائم ہو گیا۔ روس نے بھی چونکہ یورپ کے خاصے حصّے قبضہ کیا تھا۔

اس لئے اپنی گرفت میں موجود ممالک میں اُس نے سوشلسٹ نظام رائج کرایا۔ جبکہ امریکہ اور اُس کے حلیف یورپی ممالک جن میں برطانیہ اور فرانس وغیرہ شامل ہیں۔ جمہوری نظام کے دعوے دار بنے رہے جرمنی کو تقسیم کر کے انہوں نے آدھا آدھا بانٹ رکھا تھا۔ دونوں گروپوں کے ممالک میں معاہدے موجود تھے۔ جن کی رُو سے دونوں ممالک ایک دوسرے کے حمائتی ملکوں میں کسی کی مداخلت پر کاروائیاں کرنے کے مجاز تھے۔ ان دونوں ممالک کی ساری دنیا پر گرفت تقریباً تیس پینتیس سال تک رہی۔ حتیٰ کہ روس نے افغانستان میں اپنی فوجیں داخل کر دیں۔

دراصل بیسویں صدی کے آغاز سے ہی بلکہ اس سے پہلے سے مسلم مفکرین وسطِ ایشیا کی اسلامی تہذیب پر روسی قبضے اور اُس کی پامالی سے متفکر تھے۔ اور وہ اس علاقے میں اسلامی احیاء کے لئے سوچتے رہے ہیں۔ جن میں جمال الدین افغانیؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، علامہ اقبالؒ اور ایسے کئی دیگر زعماء شامل ہیں۔ لیکن پہلے مغرب کے یورپی ممالک اور مشرق میں کیمونزم کے چڑھتے ہوتے سورج کے سامنے کوئی بات بننے کا امکان نہ تھا۔ لیکن پھر بھی اسلامی ممالک میں اس سوچ نے کافی جڑیں پکڑیں اور درد مند مسلمان اپنے دلوں میں اس کے لئے کسک محسوس کرتے رہے تا آنکہ ایران میں شاہِ ایران کی امریکہ نواز پالیسیوں کی وجہ سے ایک طوفان کا لاوہ پکنے لگا۔ پاکستان میں بھی لوگ کھل کر اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی باتیں کرنے لگے۔ شاہ ایران امریکہ نوازی میں اتنا آگے چلے گئے کہ اپنے آپ کو وسطِ ایشیا میں امریکہ کا ایجنٹ اور متبنیٰ سمجھنے لگے۔ ادھر روس نے اپنی مقبوضہ اسلامی ریاستوں کو احیائے اسلام کی تحریک سے بچانے کے لئے بھارت

سے گٹھ جوڑ کیا اور پاکستان کو کمزور کرنے کے لئے اُسے دولخت کر دیا۔ ادھر ایران میں زیرِ زمین تحریک پنپتی رہی۔ جسے روح اللہ خمینیؒ اپنی جلاوطنی کے باوجود باہر سے کنٹرول کرتے رہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی سے ہمکنار کیا اور اس طرح سے کیا کہ شاہِ ایران کو دنیا میں پناہ دینے والی کوئی سرزمین میسر نہ آسکی اور وہ کسمپرسی کے عالم میں دنیا سے رخصت ہوا۔ ایران میں اسلامی انقلاب نے روس کے لئے بہت بڑا خطرہ پیدا کر دیا جس چیز سے وہ ڈر رہا تھا۔ وہ تو اُس کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ ادھر اسی چیز کے سدِباب کے لئے اُس نے افغانستان میں ظاہر شاہ کی حکومت کا تختہ اُلٹوایا۔ اور پھر یکے بعد دیگرے اپنی مرضی کے کئی حکمرانوں کو آزمایا۔ لیکن افغانستان کے باغیرت مسلم عوام پر کمیونزم کی گرفت مضبوط نہ ہو سکی۔ اور عوام اس نظام کی مزاحمت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ روس نے اپنی کٹھ پتلی حکومت کی حمایت میں افغانستان میں اپنی فوجیں داخل کر دیں یہی روس کی سب سے بڑی غلطی ثابت ہوئی۔ افغانی عوام نے کابل کی اشتراکی حکومت کے خلاف جہاد شروع کیا۔ تو امریکہ نے روس کو نیچا دکھانے کے لئے اُن کی کھل کر ہر طرح سے مدد شروع کر دی۔ ایران چونکہ امریکہ کے خلاف تھا۔ اس لئے افغانستان کی زمین سے رابطہ پیدا کرنے کے لئے پاکستان کی ضرورت محسوس ہوئی اور یوں پاکستان پر امریکی نوازشیں ہونے لگیں۔ روس کی مسلمان ریاستوں کے فوجی دستے افغانستان میں آتے اور افغانیوں کے خلاف لڑتے۔ تو کچھ اُن میں سے پکڑے جاتے اور کچھ مارے جاتے۔ مرنے والوں کی لاشیں جب واپس روس پہنچتیں اور انہیں پتہ لگتا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف لڑ کر مرے ہیں۔ تو مسلمان تڑپ کر رہ جاتے۔ اور جو

قید میں ہوتے۔ وہ پکے مسلمان بن جاتے۔ پھر جو فوجی اپنی باری پر واپس جاتے وہ یہاں سے قرآنِ کریم کے نسخے لے کر جاتے۔ جنرل ضیاء الحق نے روسی زبان میں قرآنِ کریم کے تراجم اور دوسرا اسلامی لٹریچر اتنی تعداد میں چھپوا کر روسی مسلمان ریاستوں میں پہنچوایا۔ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اُن ریاستوں کے لوگوں کے دلوں میں موجود اسلامی رمک چمک اٹھتی۔ اور وہ اسلامی احیاء کی اپنے دلوں میں شدّت محسوس کرنے لگتے۔ چھوٹے بڑے پمفلٹوں کی شکل میں روسی زبان میں لٹریچر جس کے سامنے کے صفحے پر لولینن کی تصویر موجود ہے۔ لیکن اندر سارا اسلامی لٹریچر ہے۔ جس انقلاب کو روکنے کی کوشش میں روس نے افغانستان میں فوجیں اتاریں تھیں۔ وہی اُس کی تباہی کا پیش خیمہ ہوا۔ حتیٰ کہ روس کو رسوا ہو کر اپنی مزید بے عزتی سے بچنے کے لئے اپنی فوجیں افغانستان سے واپس بلانے کا اعلان کرنا پڑا۔ جس سے وقتی طور پر اُس کی عزّت تو بچ گئی لیکن شکست و ریخت کو قدرت اُس کے مقدّر میں لکھ چکی تھی۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ روس کی تمام ریاستیں اُس سے باغی ہو کر اپنی خود مختاری کا اعلان کر چکی ہیں اور اشتراکی نظام سے تائب ہوتی جا رہی ہیں۔ اور روس اپنی بین الاقوامی طاقت ہونے کا شرف کھو چکا ہے۔ اور امریکہ اب دنیا میں واحد طاقت رہ گئی ہے۔ جس کو چیلنج کرنے والی اب کوئی اور دوسری طاقت نہیں اب امریکہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اب اگر اور کوئی طاقت اُس کے مقابل آسکتی ہے۔ تو وہ اسلامی ریاستوں کا مجموعہ ہی ہوگی۔ جس کا مرکز وسط ایشیا ہوگا۔ اس لئے وہ اس جوڑ توڑ میں مصروف ہے کہ کوئی اسلامی ملک ترقی کی کسی ایسی منزل

تک رسائی حاصل نہ کر لے جو اُس کے لئے خطرناک ثابت ہو سکے۔

امریکہ نے مشرقِ وسطیٰ کے اسلامی ممالک کو کنٹرول کرنے کے لئے اسرائیل کو پرورش کر رکھا ہے۔ جسے اُس نے ہر قسم کی کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ اُس کے مقابل آنے والا صرف عراق ایک ملک تھا۔ جس کی فوج اور ٹیکنالوجی اسرائیل کے لئے خطرہ ہو سکتی تھی۔ اُسے امریکہ نے اُس سے کویت پر حملہ کرا کے نیست و نابود کر دیا ہے۔ باقی عرب ریاستیں ازمنۂ رفتہ کی اُس شاہزادگی میں گرفتار ہیں۔ جو بغداد سے متعلق پر اسرار کہانیوں کی شکل میں کتابوں میں محفوظ ہیں۔ جب دو ایک عرب جمہوریائیں اپنے ملکوں میں موروثی ملوکیت قائم کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے غور کر رہی ہیں۔ وسطِ ایشیا کے ممالک میں ایران اور پاکستان دو ایسے ممالک ہیں۔ جو اسلامی احیاء کی تحریک میں سرخیل ثابت ہو سکتے ہیں۔ امریکہ جس کا خطرہ کافی عرصہ سے محسوس کر رہا ہے۔ اب وہ ان دونوں ممالک کو "کارنر کرنے" کے بارے میں سنجیدگی سے سوچ رہا ہے۔ ترکی بھی ایسا ملک ہے۔ جس کے بارے میں امریکہ کچھ عرصے سے خدشات کا شکار رہے لیکن ترکی کی اسلامی سوچ اور غیرت کے باوجود مغرب نے اپنی معیشت کے بڑے بڑے پنجے ترکی میں گاڑ رکھے ہیں۔ وہ اُن سے نجات نہیں حاصل کر سکتا۔ نئی نسل پورے طور پر مغرب کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ جس سے چھٹکارا حاصل کرنے میں وقت لگے گا۔ لیکن موجودہ دور میں ترکی، ایران اور پاکستان کا آپس میں اتحاد اور مشاورت اسلامی دنیا کے لئے حد سے زیادہ ضروری ہے۔ افغانستان کے مسئلے کے مکمل حل کے بعد یقیناً افغانستان اس تحریک کا محور بن سکتا ہے۔ کیونکہ روسی اسلامی ریاستوں کو اس

اشتراک میں شامل کرنا ہی اصل کامیابی ہے۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بھارت کشمیر میں گوریلا جنگ کی وجہ سے تنگ آچکا ہے۔ اور اُس کی معیشت اس کا بوجھ مزید نہیں برداشت کر سکتی اور وہ کشمیر کی تقسیم پر راضی ہے۔ لیکن ہمیں کشمیر کو تقسیم نہیں کرنا ہے اسے پورے کا پورا پہلے پاکستان پھر اسلامی بلاک کا حصّہ بنانا ہے تاکہ صدیوں کی غلامی کے بوجھ تلے دبے ہوئے کشمیری تازہ ہوا میں آزادی سے سانس لے سکیں۔ اس لئے کسی فریق کو بھی اس پر بات چیت نہیں کرنا چاہیے۔ وہ وقت جلدی آنے والا ہے۔ جب افغانستان سے روس کی طرح بھارت بھی کشمیر سے خود بستر گول کر کے نکل جائے گا۔ کیونکہ کشمیر کی تحریک آزادی بھی انہی خطوط پر شروع کی گئی ہے۔ جن پر افغانستان کی جنگ لڑی گئی یا لڑی جا رہی ہے۔ کشمیریوں کے ہاتھوں بھارت کی شکست و ریخت بھی ضرور ہو گی۔ اور یہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ اکیسویں صدی میں کوئی بھی معاشرہ ایسا نہیں رہ جائے گا۔ جس کا نظام جبر پر قائم ہو۔ اور جہاں انسانوں کے حقوق کے بھی مختلف مدارج ہوں۔ اس لئے بھارت کے کٹر ہندو نظام کی روایات ناکامی کا ضرور منہ دیکھیں گی۔ اور اس نظام سے بیزار نچلے طبقے کے لوگوں نے اُسے مسترد کر کے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے آزادی کے طلب گار رہوں گے۔

اس میں کسی شخص کو کوئی شک نہیں ہونا چاہیے کہ شمالی علاقہ جات گلگت و بلتستان بھی کشمیر کا جزو لاینفک ہیں۔ اور کسی طریقے سے بھی انہیں کشمیر کے فیصلہ ہونے سے پہلے اس سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ علاقہ مسلم کانفرنس کے لیڈروں نے انتظامی مشکلات اور مواصلاتی دوری

ہونے کی وجہ سے ایک معاہدہ کے تحت براہِ راست حکومت پاکستان کے حوالے کیا تھا۔ لیکن اس بات سے اس کی آئینی حیثیت میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اور وہ بدستور ریاست جموّں وکشمیر کا حصّہ ہے۔ وہاں کے لوگوں کو ابھی تک جمہوری حقوق نہیں ملے۔ اُس کی وجہ بھی انتظامی مشکلات ہیں۔ وہاں کے لوگ ایک مدّت سے اپنے حقوق کے لئے مطالبات کر رہے ہیں۔ جن کا انہیں حق ہے۔ لیکن حکومتِ پاکستان کو اس سلسلے میں فیصلہ کرنے سے پہلے اُس کی آئینی حیثیت کو ضرور پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مسئلے کو حل کرتے ہوئے ہم بھارت کو جموّں یا لدّاخ کو کشمیر سے علیحدہ کر کے بھارت میں ضم کرنے کا جواز مہیّا کر دیں۔ اُسے فوری طور پر آزاد کشمیر اسمبلی میں نمائندگی دی جا سکتی ہے۔ یا پھر کشمیر کونسل کے تحت ایک علیحدہ یونٹ کے طور پر ایک علیحدہ اسمبلی اور عدالتی نظام مہیّا کیا جا سکتا ہے۔ جو ریاست جموّں وکشمیر کی آئینی حدود کے اندر تصور ہوں جس کی بالآخر منزل تو پاکستان ہی ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان کے لئے کشمیر کے مسئلے پر دوٹوک بات کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ معاہدہ شملہ ہے۔ اب جب اُس معاہدہ کی دونوں شریک شخصیتیں دنیا میں نہیں رہیں۔ تو ہم صرف تحریر شدہ الفاظ کے پابند ہو سکتے ہیں۔ جن کے مطابق کشمیر کے تنازعے کا اقرار کیا گیا ہے۔ لیکن اُس کے حل کو صرف آپس کی بات چیت تک محدود کر دیا گیا ہے۔ لیکن بھارت جب کشمیر کے مسئلے کو اپنا داخلی مسئلہ قرار دے کر اُسے اپنا اٹوٹ انگ بتاتا ہے۔ اور اس پر بات کرنے کے لئے بظاہر بھارتی حکومت بھی تیار نہیں بلکہ موجودہ وزیر اعظم نرسیما راؤ دھمکی کے

زبان میں بات کرتا ہے۔ تو ہم پر اُس معاہدہ کی پابندی کس طرح لازم ہے۔ جنگ ۱۹۷۱ء کے اثرات تو اپنے منطقی انجام کو پہنچ چکے ہیں۔ صرف مسئلہ کشمیر باقی ہے۔ اگر اُس پر بھارت بات کرنے کے لئے تیار نہیں تو ہمیں معاہدہ شملہ کو یک طرفہ طور پر منسوخ کر دینا چاہیئے۔ تاکہ ہم اس لفظی پابندی سے آزاد ہو جائیں۔ جس کا ڈھنڈورہ پیٹا جا رہا ہے۔ اور جو ہمارے لئے کشمیر کے معاملے میں دو ٹوک بات اور عمل کرنے کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ بھارت نے مشرقی پاکستان کے معاملے میں جس بنیاد پر دخل دے کر ہمارے خلاف جارحیت کی تھی۔ وہی بنیاد ہمیں اپنے کشمیری بھائیوں کی کھلی امداد کرنے کا جواز مہیا کرتی ہے۔ ہاں بین الاقوامی مصلحتیں ہوں تو اور بات ہے۔ کیوں کہ کمزور ملک اپنی مرضی کے مطابق کوئی عملی اقدام بھی تو نہیں کر سکتے۔ بلکہ اپنے معاملات میں بھی وہ بعض دفعہ خود مختار نہیں ہوتے۔ لیکن اس کے باوجود پاکستان کی حکومت اور لوگوں کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ اگر کشمیریوں کی یہ کوشش ناکام ہو گئی تو پھر اس کے جو نتائج نکلیں گے وہ بڑے بھیانک ہوں گے۔ پاکستان کے عوام نے شائد سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور نہیں کیا کہ کشمیر پر بھارتی قبضے کا تسلسل اُن کے لئے کیا کیا مصیبتیں لا سکتا ہے۔ جن دریاؤں کے پانی کی تقسیم پر وہ آپس میں لڑتے رہے ہیں۔ اور مختلف مقامات پر ڈیم تعمیر کرنے میں بلاوجہ رکاوٹیں ڈالتے رہتے ہیں۔ جب اُن میں پانی ہی نہیں رہے گا اور اُن کی زمینیں بنجر ہو جائیں گی۔ تو انہیں تب معلوم ہو گا۔ کہ یہ معاملہ کتنا سنگین تھا۔ اس لئے کشمیر کی آزادی کی موجودہ تحریک کو ہر صورت میں کامیاب ہونا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیں بھارت میں علیحدگی کی

تمام تحریکوں کی مدد کرنی چاہیے۔ خاص طور پر سکھوں کی آزادی اور خالصتان کی تشکیل اور تکمیل کا دوسرا نام ہی کشمیر کی آزادی ہے۔ عملی طور پر حکومت پاکستان اگر کشمیری حریت پسندوں کی ٹھوس مدد نہیں کر سکتی تو اُسے غیر سرکاری سطح پر مندرجہ ذیل شعبوں میں کام کرنے کے لئے مدد کرنی چاہیے۔ ضروری نہیں کہ ہر کام کی تشہیر ہی کی جائے۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے کارکردگی کے لئے مختلف میدان موجود ہیں۔ جن میں سے کچھ کا ذکر ہم کر رہے ہیں:

۱:- بھارت کے کشمیر کا اٹوٹ انگ ہونے کے دعوے کی قانونی حیثیت کی وضاحت میں واضح پوسٹر ساری دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع کر کے اُن ممالک میں بھیجے جائیں۔ جس میں اس مسئلے کا مختصر تعارف بھی شامل ہو۔ جس میں بھارت سے یہ بھی پوچھا جائے۔ وہ کون سی قانونی دستاویز ہے۔ جس کے تحت اُس نے کشمیر کو اپنی عمل داری میں شامل کر رکھا ہے۔

۲:- بھارت کے کشمیریوں پر مذہب کی بنیاد پر ڈھائے گئے مظالم کی داستانیں مع تصویروں کے مختلف زبانوں میں شائع کر کے سارے ملکوں میں بھیجی جائیں۔ اور اُن ممالک سے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ردِ عمل کی درخواست کی جائے۔

۳:- بھارت کے ہندو مذہب کے انسانیت سوز، غیر فطری اور غیر انسانی قوانین کی تفصیل جس کے تحت وہ دوسرے مذہب کے لوگوں پر ظلم و ستم روا رکھتے ہیں۔ شائع کر کے مختلف ملکوں کو روانہ کی جائے جس میں مسلمانوں، سکھوں، بودھوں پر کئے جانے والے روزمرہ مظالم کی تفصیل دی جائے۔

۴:۔ تمام بیرونی ممالک میں کشمیریوں کی حمایت میں انجمنیں بنائی جائیں اور انہیں فعّال بنایا جائے۔ تاکہ مختلف موقعوں پر جلسے، جلوس کی شکل میں بیرونی ممالک کے عوام کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کیا جا سکے اور مظلوم کشمیریوں کے لئے ہمدردی حاصل کی جا سکے۔

۵:۔ جہادِ کشمیر کے سلسلہ میں چھپنے والی تمام کتابوں کا یورپی اور عربی، فارسی زبانوں میں ترجمہ کر کے اُن ممالک میں بھیجا جائے۔ تاکہ لوگ اس مسئلے اور بھارت کی جارحیّت کی تفصیل سے آگاہ ہو سکیں۔

۶:۔ مختلف ممالک میں کشمیریوں کے لئے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر خوراک اور ادویات کی امداد طلب کی جائے۔ جو بین الاقوامی ایجنسیوں کی معرفت انہیں پہنچائی جائے۔

۷:۔ مختلف ملکوں کے پارلیمانی وفود کو پاکستان آکر آزاد کشمیر میں موجود تازہ کشمیری مہاجرین کے کیمپ دکھا کے ان کی حالتِ زار کی تفصیلات سے آگاہ کیا جائے اور بھارتی فوجیوں کے مظالم کی داستانیں سنوائی جائیں۔ تاکہ وہ اپنے ممالک میں واپس جا کر اپنی حکومتوں اور عوام کو کشمیریوں پر بھارتی مظالم کی تفصیل بتا سکیں۔

۸:۔ مختلف ممالک کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ مقبوضہ کشمیر میں اپنے وفود بھیجیں تاکہ وہ بھارتی فوجیوں کے ہاتھوں ان نہتی کی بے حرمتی، بداخلاقی اور مظالم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں اور بھارتی فوجیوں کے جرائم سے اپنے اپنے ممالک کو آگاہ کر سکیں۔

۹:۔ تمام اسلامی ممالک میں وفود بھیجے جائیں۔ جو اُن ممالک کو بھارت کے ساتھ اپنے سفارتی اور اقتصادی تعلقات پر نظر ثانی

کرنے کی ضرورت پر زور دیں۔ جب تک وہ کشمیری مسلمانوں پر ظلم و تشدد بند کر کے انہیں ان کے حقوق نہیں دیتا۔

۱۰:۔ تمام ممالک کی حکومتوں کو کشمیر میں بھارتی ظلم و ستم سے آگاہ کیا جائے اور انہیں اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اقوام متحدہ کو مجبور کریں کہ وہ کشمیری عوام سے کئے گئے بھارتی وعدے پورے کراتے ہوئے اُن کے حقوق دلوائے۔ اور بھارتی فوجیوں کی طرف سے جرائم کی وجہ سے بھارت پر پابندیاں عائد کرے

۱۱:۔ امریکہ پر دباؤ ڈالا جائے کہ جیسے اُس نے کویت سے عراق کا قبضہ چھڑانے کے لئے عمل کیا ہے۔ اسی طرح اقوام متحدہ کی قراردادوں کی بھارت سے پابندی کراتے ہوئے کشمیریوں کو اُن کا حق خود ارادی دلائے۔ اور بھارت کا کشمیر سے قبضہ ختم کرائے۔

۱۲:۔ برطانیہ کی حکومت پر دباؤ ڈالا جائے اور اُسے اُس کی اخلاقی ذمہ داری پورا کرنے پر مجبور کیا جائے۔ کہ جس قوم کو فروخت کر کے اس نے رقم وصول کی تھی۔ اُسے اس کی سرزمین واپس دلائے کیونکہ اُسے کشمیریوں کو آگے بھارت کے ہاتھ فروخت کر دینے کا حق نہ تھا۔ اور اپنے اجداد کے اس اخلاقی اور سیاسی جرم پر کشمیری عوام سے معافی مانگے۔

۱۳:۔ حکومت آزاد کشمیر یا حکومتِ پاکستان عالمی قانون دانوں اور تمام ممالک کے چیدہ چیدہ پارلیمانی نمائندوں کا ایک اجلاس بلائے۔ جس میں بھارت کو کشمیر کے مؤقف پر قانونی بحث کی جائے اور اُس پر بین الاقوامی قانون اور انسانی رواداری کے اصولوں کے مطابق

اُن کی رائے ریکارڈ کی جائے۔ تاکہ دنیا حقائق سے اور بھارت کی ہٹ دھرمی سے آگاہ ہو سکے۔

۱۴:۔ حکومتِ پاکستان ایک ایک روپے کے "جہادِ کشمیر" ٹکٹ جاری کرے اور انہیں ڈاک خانوں میں رکھے۔ ہر پاکستانی اور کشمیری سے اپیل کی جائے کہ وہ مہینے میں کم از کم ایک ٹکٹ ضرور خریدا کرے گا۔ اس سے حاصل کردہ رقوم سے مجاہدینِ کشمیر کی مدد کی جائے۔

۱۵:۔ دانشوروں اور ادیبوں کا ایک ایسا گروہ تشکیل دیا جائے جو مختلف صنفوں میں کشمیر پر لکھتے رہیں۔ جسے مقامی اور بین الاقوامی پریس میں چھپوایا جائے تاکہ دنیا کے عوام حقائق سے آگاہ ہو سکیں اور دنیا کے ادب میں کشمیریوں کی خون سے لکھی جانے والی داستانیں بھی شامل ہو سکیں۔

تحریکِ آزادی میں حکومت آزاد کشمیر کا رول

آزاد کشمیر کے علاقے کو کشمیر کی آزادی کے سلسلے میں بیس کیمپ کا کردار ادا کرنا تھا۔ لیکن یہ کام مؤثر طریقے سے نہیں ہو سکا۔ پاکستان کے سیاست دانوں کی طرح آزاد کشمیر کے سیاست دانوں کی سوچ کا دائرہ بھی ذاتی مفادات سے کبھی آگے نہیں بڑھا۔ عوام میں اگرچہ جہاد کا جذبہ موجود ہے۔ لیکن کوئی مؤثر پالیسی نہ ہونے کی وجہ سے کوئی خاص کام نہیں ہو سکا۔ آزاد کشمیر کی حکومت کی پالیسیاں چونکہ حکومت پاکستان کے تابع ہی ہوتی ہیں۔ اس لئے انہیں زیادہ الزام بھی نہیں دیا جا سکتا لیکن پھر بھی سنجیدگی سے اگر اس معاملے پر کام ہوتا۔ تو بہت کچھ ہو سکتا تھا۔ بہرحال حالات پہلے سے کافی بہتر ہیں۔ اور سوچ کا رخ اس سمت مڑ رہا ہے۔ پچھلے پانچ سال کا عرصہ ہمارے سامنے ہے۔ جس میں سردار عبدالقیوم خاں کی صدارت میں چار سال مسلم کانفرنس اور کچھ عرصہ پیپلز پارٹی کی حکومت رہی۔ لیکن زبانی جمع خرچ زیادہ ہوا۔ اور کام کم۔ حکومتی فنڈز کو صحیح طور پر استعمال نہیں کیا گیا۔ غالباً سردار عبدالقیوم خان نے صدارت چھوڑ کر وزیرِ اعظم کا منصب اسی لئے سنبھال لیا ہے کہ

وہ اس عرصے کی کارکردگی سے مطمئن نہ تھے۔ اب وہ اس معاملے میں کافی سنجیدہ دکھائی دیتے ہیں۔ آزاد کشمیر میں اس وقت وہ سب سے زیادہ روشن دماغ اور صحیح سوچ رکھنے والے مؤثر سیاست دان ہیں۔ اور شاید وزارتِ عظمیٰ پر متمکن ہونے اور کچھ کام کر سکنے کا اُن کے لئے آخری موقع ہو۔ اس لئے اُن کی موجود سنجیدگی سے یہ بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے۔ کہ وہ معاملات کو صحیح طور پر نپٹائیں گے اور آزادیٔ کشمیر کے جہاد میں کوئی مؤثر رول ادا کریں گے۔ کیونکہ یہ تحریک جس موڑ پر جا پہنچی ہے۔ وہاں تک پہلے کبھی نہیں پہنچی۔ اور ہماری کوئی کوتاہی اگر اس کی ناکامی کا باعث بن گئی تو آئندہ نسلیں ہمیں معاف نہیں کریں گی۔ شیخ عبداللہ کی قبر کو بے حرمتی سے بچانے کے لئے بھارتی حکومت کی طرف سے قبر پر لگائے والے پہرہ اس بات کا شاہد ہے کہ آنے والی نسلیں موجودہ دور کی فاش غلطیوں کو معاف کرنے اور اُن پر درگزر کرنے کا سلیقہ نہیں رکھتیں۔ اب ہمیں ہر صورت قول اور عمل سے اس تحریک میں شامل ہو کر اسے کامیابی سے ہم کنار کرنا ہے۔ کیونکہ ہمارے لئے یہی ایک راستہ رہ گیا ہے۔

مضبوط پاکستان

کسی ملک میں جب علاقائی علیحدگی کی تحریکیں اٹھتی ہیں تو اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ملک سیاسی اور معاشی طور پر مضبوط نہیں اور اُس میں کچھ علاقوں کے لوگ کچھ محرومیوں کا شکار ہیں۔ اور اُن کی محرومیوں کی حد یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ وہ ملک کو توڑنے کے درپے ہو گئے ہیں بعض دفعہ عوام کو خود اپنی محرومیوں کا اتنا احساس نہیں ہوتا۔ جتنا دشمن کے ہاتھوں میں کھیلنے والے لوگ اپنے مذموم عزائم کو پورا کرنے کے لئے اُن میں پیدا کر دیتے ہیں۔ اور طبقاتی منافرت پھیلا کر وہ اُس ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں لگے ہوتے ہیں۔ تیسری دنیا کے ممالک کے لوگ اپنی کم علمی اور جہالت کی وجہ سے اکثر احساسِ کمتری میں مبتلا ہو کر ایسے قومی غداروں کی باتوں میں آجاتے ہیں۔ اور علیحدگی کی راہوں پر چل نکلتے ہیں۔ اگر ان ممالک کی حکومتیں شروع میں ایسی تحریکوں کا سنجیدگی سے مطالعہ کر کے ان کا سدِباب کر لیں تو معاملات سلجھ جاتے ہیں۔ لیکن ایسی حکومتیں اگر ناسمجھی میں زیادہ سختی کریں۔ تو معاملات پھر اتنے آگے نکل جاتے ہیں۔ جن کی واپسی ممکن نہیں ہوتی

جن قوموں اور ممالک کا ہندوؤں سے کبھی واسطہ نہیں رہا۔ وہ اس تحریک کی وجوہات اور مضمرات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جن کے تحت ہندوستان کے مسلمانوں نے ہندوؤں سے علیحدگی اختیار کرنے کے لئے اپنے لئے علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا تھا۔ مذہب کی بنیاد پر علیحدہ مملکت کا مطالبہ کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ آخر ساری دنیا میں مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہیں۔ اور کبھی کہیں سے ایسا مطالبہ نہیں آیا۔ دراصل وہ لوگ ہندوؤں کے مذہب اور اُن کے خصائل سے آگاہ نہیں۔ ہندو مذہب کی بنیاد ہی طبقاتی منافرت پر قائم ہے۔ جس میں چار طبقے ہیں۔ ایک بہت اونچا۔ ایک بہت نیچا۔ جبکہ دوسرے دو درمیانے ہیں۔ اونچے طبقے کے کسی شخص کو اگر نچلے طبقے کا کوئی آدمی چھو کر بھی گزر جائے۔ تو وہ اپنے آپ کو پلید سمجھنے لگتا ہے۔ اور نئے سرے سے نہا کر نئے کپڑے پہنے بغیر اُسے چین نہیں آتا۔ جب کہ مسلمانوں میں ایسی کوئی طبقاتی تقسیم نہیں۔ ہر مسلمان برابر ہے اور آپس میں میل ملاپ رکھنا اور محبت سے رہنا اُن کے دین کا ایک حصّہ ہے۔ مسلمانوں نے ہندوستان میں تقریباً سات آٹھ سو سال تک حکومت کی ہے۔ اور یہ اُن کی رواداری کی واضح دلیل ہے۔ کہ انہوں نے اتنی لمبی مدّت حکومت کرنے کے باوجود ہندوؤں کے مذہب سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اور نہ لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا ہے ورنہ اتنی مدّت میں ہندو مت کا نام ونشان تک مٹ جاتا۔ اس لمبی مدّت کے دوران ہندو منافقت کرتے رہے اور اپنے خبث باطن کو ظاہر نہیں کیا۔ حتیٰ کہ انگریز یہاں پر قابض ہوگئے۔ انگریزوں کی حکومت

کے دوران انہوں نے مسلمانوں سے خوب بدلے لئے۔ اور مسلمانوں کی طرف سے شروع ہونے والی آزادی کی تحریکوں کو سبوتاژ کرتے رہے۔ انہیں جہاں کہیں بھی موقع ملتا۔ مسلمانوں سے غیر انسانی سلوک کرتے۔ اور مسلمانوں سے بھی اپنے مذہب کی نیچ ذات کا سا سلوک کرتے رہے۔ اس سوڈیڑھ سو سال کے عرصے میں مسلمانوں نے محسوس کر لیا کہ اگر آبادی کے تناسب سے جمہوری حکومتیں بن گیئں تو یہاں کی ہندو قوم اپنی کثرت کی وجہ سے مسلمانوں کو ہمیشہ دبائے رکھے گی۔ اور اُن سے غیر انسانی سلوک کرے گی۔ اس لئے انہوں نے ایسے صوبوں میں جہاں ان کی اکثریت تھی اپنے لئے علیحدہ وطن پاکستان کا مطالبہ پیش کر دیا۔ جس کو بالآخر انگریزوں کو ماننا پڑا۔ اور اُن کے یہاں سے رخصت ہونے پر ملک پاکستان ظہور میں آیا۔ لیکن چونکہ یہ ملک ہندوؤں کی خواہشات کے خلاف بنا ہے۔ اس لئے انہوں نے اسے دل سے قبول نہیں کیا اور اسے ختم کرنے یا کمزور کرنے کے منصوبے بناتے رہے ہیں۔ کشمیر کا پاکستان میں شامل ہونا ناگزیر تھا۔ کیونکہ وہ مسلم اکثریت کی ریاست تھی۔ اور پاکستان میں شامل ہونے والے صوبوں سے مربوط تھی۔ جبکہ بھارت سے اُس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ اُس کا حکمران ہندو تھا۔ اور گلاب سنگھ ڈوگرے کا پوتا تھا۔ جس نے یہ ریاست معاہدہ امرتسر کے تحت انگریزوں سے پٹے پر حاصل کر رکھی تھی۔ اس پٹے کے عوض مہاراجہ ہر سال ایک گھوڑا۔ اچھی نسل کے چھ بکرے اور چھ بکریاں اور تین جوڑی کشمیری دو شالوں کی بطورِ خراج حکومتِ برطانیہ کو پیش کرتا تھا۔ اور مہاراجہ نے اسی معاہدہ کے تحت ہی ریاست پر برطانیہ کا اقتدارِ اعلیٰ تسلیم کر رکھا تھا۔

معاہدہ امرتسر کی شرائط اور گلاب سنگھ کی وصیّت اس بات کی گواہ ہیں کہ یہ ریاست پوری طرح برطانیہ کے اقتدار میں تھی اور صرف پٹے پر گلاب سنگھ کو دی گئی تھی۔ جس کا اختیار صرف اُس کی نرینہ اولاد کو منتقل ہو سکتا تھا کسی اور کو نہیں۔ اس لئے ہری سنگھ کو ایسا کوئی اختیار نہ تھا۔ جس کے تحت ریاست کا اقتدار منتقل ہو کر بھارتی سرکار کو چلا جاتا۔ حکومت برطانیہ نے چونکہ برصغیر کا اقتدار یہاں کے عوام کو منتقل کیا تھا۔ اس لئے کشمیر کے الحاق کا اختیار بھی صرف کشمیری عوام کو حاصل تھا۔ چنانچہ ہندوستان کی پاکستان اور بھارت میں تقسیم کے مرحلے پر پنڈت نہرو اور دوسرے ہندو کانگرسی لیڈروں کی انگریز گورنر جنرل لارڈ ماونٹ بیٹن کی باہم سازش سے گورداسپور کا ضلع بھارت کے حوالے کر کے اُسے ریاست پر قبضہ کرنے کا کوئی قانونی یا اخلاقی جواز نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ پاکستان سے کشمیر کو جدا کر کے اُسے کمزور کر دیا جائے۔ اُس کو سیراب کرنے والے دریاؤں کا پانی بند کر کے پنجاب اور سندھ کی زرخیز زمینوں کو بنجر بنا دیا جائے اور کشمیری مسلمانوں کو بطور یرغمال استعمال کیا جائے اور کشمیر کی حیثیّت کو اپنے کنٹرول میں کیا جائے۔ تشکیل پاکستان کے ساتھ ہی بھارت نے اپنی ایسی خفیہ ایجنسیاں بنائیں۔ جن کے ذمے پاکستان کو کمزور کرنے اور اس کے مختلف علاقوں کو مرکز کے خلاف اکسانے کا کام سونپا گیا۔ مشرقی پاکستان کے مسلمانوں نے قیامِ پاکستان میں بڑی قربانیاں دی تھیں۔ لیکن بھارت نے وہاں پر موجود ہندوؤں سے مل کر ایسی پلاننگ کی۔ جس سے پچیس سال کے اندر وہاں کے عوام کو مرکز اور مغربی پاکستان سے متنفّر کر دیا۔ اور پھر فوجی مداخلت کر کے اُسے ہم سے جدا کیا۔ اس سے

بھارت نے نہ صرف پاکستان کو کمزور کر دیا۔ بلکہ بھارتی مسلمانوں کو بھی کمزور اور دل برداشتہ کر دیا۔ پہلے انہیں پاکستان کی وجہ سے کافی تقویّت تھی۔ لیکن اس کے بعد اُن میں پہلے سا دم خم نہ رہا۔ پھر بھارتی حکومت اُن میں مزید مایوسی پھیلانے کے لئے ہر سال میں ایک دو مرتبہ مسلم کش فسادات کرا دیتی ہے۔ تاکہ مسلمان کسی طرح سر نہ اٹھا سکیں۔ پاکستان کے بارے میں اپنی روش انہوں نے بالکل نہیں بدلی۔ چنانچہ اب وہ سندھ کے ہندوؤں کی معرفت سندھ میں وہی حالات دہرانا چاہتے ہیں جو مشرقی پاکستان میں پیدا ہوئے۔ ادھر پاکستان کے سیاست دان اتنے نابلد ہیں۔ کہ انہوں نے پہلے المیئے کے بعد بھی اس طرف صحیح توجہ نہیں دی اور اب بھی دیانت داری سے حالات پر قابو پانے کی بجائے اپنے مفادات میں لگے ہوئے ہیں۔ اس ملک میں ایک بھی ایسا سیاست دان نظر نہیں آتا۔ جو ذاتی منفعت کی پرواہ کی بجائے ملک و قوم کے مفاد کو عزیز رکھتا ہو۔ ہر شخص کی سیاست اپنے اَرد گرد ہی گھوم رہی ہے اس لئے ہر ذی شعور شخص کو سوچ لینا چاہیے کہ کمزور ملک سے منسلک ہونا کوئی ملک پسند نہیں کر سکتا۔ بنگال پاکستان سے علیحدہ ہوا جو پاکستان کا قانونی حصّہ تھا۔ آپ نے کسی کا کیا بگاڑ لیا۔ اب سندھ میں برملا لوگ پاکستان کے خلاف نعرے لگاتے ہیں اور جی ایم سیّد جیسے لوگ پاکستان سے علیحدہ کر کے سندھ کو بھارت سے ملانے کی بات کرتے ہیں۔ تو آپ اُن کے خلاف کچھ نہیں کرتے یا کہتے۔ حالانکہ سندھ آپ کے ملک پاکستان کا قانونی حصّہ ہے۔ اس لئے ان چیزوں کا جواب ڈھونڈنے کے لئے زیرک لوگوں کے ذریعے ان اسباب کو تلاش کرنا ہوگا۔ جو اس کی

وجہ ہے اور ہمیں اُن تمام باتوں کو بڑی حوصلہ مندی سے سن کر اُن کا تدارک کرنا ہوگا۔ جتنی ملک میں یک جہتی بڑھے گی۔ اتنا ہی ملک مضبوط ہو گا۔ اتنا ہی اُس کا وقار بڑھے گا اور دوسرے ملکوں کا اُس سے تعاون بڑھے گا۔ اس لئے کشمیر کے مسئلے کے حل کے لئے اور کشمیر کے اس کے ساتھ الحاق کے لئے ایک مضبوط پاکستان کی اشد ضرورت ہے۔ خود مختار کشمیر کا نعرہ لگانے والے لوگ بھی پاکستان کے خلاف ہرگز نہیں۔ صرف یہاں کی سیاسی حالت کی وجہ سے مایوسی کا شکار ہیں۔ کوئی بھی شخص ڈوبتی کشتی میں سوار ہونا پسند نہیں کر سکتا۔ ہاں مضبوط اور توانا پاکستان نہ صرف کشمیر بلکہ تمام اسلامی ممالک کے لئے راہبر ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے یہاں کے سیاست دانوں اور عوام کو اس پر غور کر کے عمل کرنا ہوگا۔ انہیں معاشی اور سیاسی حالات کو ٹھیک کرنے کے لئے ذاتی مفادات، ذاتی دشمنیاں اور ذاتی دوستیاں ترک کرنی ہوں گی۔ اور دیانت داری کے اصولوں کو اپناتے ہوئے اپنے ملک کو مضبوط بنانا ہوگا۔ کسی نئے ملک کا بننا مشکل ہے۔ اُس کا چلانا تو اتنا مشکل نہیں۔ قائدِ اعظم نے جب اس کی تشکیل کے کام کا بیڑہ اٹھایا تو اپنا ذاتی کام کاج، آرام۔ حتیٰ کہ اولاد تک کو چھوڑ دیا۔ اور اپنی ساری جائیداد تک اسی ملک کی نذر کر دی۔ اور اپنی گرتی ہوئی صحت کی بھی پرواہ نہیں کی۔ اس لئے کہ انہیں عوام اور ملک کا مفاد اپنے ذاتی مفاد سے عزیز تھا۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ سیاست دان کے لئے تو سب سے بڑا سرمایہ عوام کی اُن سے محبت ہوتی ہے۔ سرمایہ جائیداد اور اولاد بھی اس کے سامنے کیا حقیقت رکھتی ہے۔ لیکن اب سیاست دان شاید صرف چُوری کھانے والے مجنوں ہیں۔ اس محبت کے

سلسلے میں مصر کے صدر کرنل جمال عبدالناصر مرحوم کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ جنہوں نے اسرائیل سے صحرائے سینا میں شکست کھانے کے بعد اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے استعفیٰ دے دیا۔ لیکن لاکھوں لوگ قاہرہ کی سڑکوں پر نکل آئے اور انہیں استعفیٰ واپس لینے پر مجبور کیا۔ اُن سے پالیسیوں پر اختلاف رکھنے والے لوگ بھی لاکھوں کی تعداد میں موجود تھے لیکن کوئی شخص انہیں ذاتی مفاد کے حصول کا الزام نہیں دے سکتا تھا۔ وہ کرنل ہونے کی حیثیت میں جس مکان میں رہتے تھے۔ صدر ہو کر بھی اُسی مکان میں رہے۔ اُن کی بیٹی کو مطلوبہ نمبر کم ہونے کی وجہ سے ایک کالج میں داخلے سے انکار کر دیا گیا تو انہوں نے کوئی مداخلت نہیں کی اور اس انکار کو برداشت کیا۔ کیا ہمارے ملک میں ایسی دیانت رکھنے والا کوئی سیاست دان نہیں پیدا ہو سکتا؟ ہم اسلام کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ اور ہر وہ کام بھی کرتے ہیں۔ جس کی اسلام نفی کرتا ہے۔ ہمارے اپنے اور دوسروں کے لئے پیمانے بھی جدا جدا ہیں۔ سیاست دانوں میں دیانت کے اصولوں پر چلنے کی کوئی تحریک کیوں نہیں اٹھتی۔ کیا ہم سب کے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں۔؟ کیا اللہ صرف ہمیں اس لئے بد اعمالیوں کی سزا نہیں دے گا۔ کہ ہمارے نام مسلمانوں جیسے ہیں۔ اور ہم اسلام کے دعوے دار ہیں۔ پتہ نہیں ہم کیوں خوش فہمی کی زندگی گزار رہے ہیں۔؟ یہ ہم سب کے لئے لمحۂ فکریہ ہے

قافلۂ نوبہار

صدائے جرسِ گل پہ چلی بھی آ بلبل
کہیں تو قافلۂ نوبہار ٹھہرے گا

ہندوستان کے مسلمانوں نے جب انگریزوں کے سوڈیڑھ سو سالہ دورِ حکومت میں ہندوؤں کا اپنے ساتھ برتاؤ دیکھا۔ تو انہیں محسوس ہوا کہ پچھلے سات آٹھ سو سال کی رواداری ہندوؤں نے محض محکوم قوم ہونے کی وجہ سے روا رکھی ہوئی تھی۔ اس لئے انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنی اکثریت کے صوبوں اور علاقوں میں ایک علیحدہ مملکت بنائیں گے۔ جس کی حکومت اُن کی اپنی ہو گی۔ کیونکہ جمہوری طور طریقوں کے مطابق تو پھر سارے ہندوستان میں اکثریت ہونے کی وجہ سے ہندوؤں کی ہی حکومت ہو گی۔ جو مسلمانوں کو پریشان کریں گے۔ اس مطالبے میں ایسے صوبوں اور علاقوں کے مسلمان بھی شامل رہے۔ بلکہ انہوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ جنہیں پتہ تھا کہ اُن کے علاقے پاکستان میں شامل نہیں ہوں گے۔ لیکن انہیں یہ اطمینان ضرور تھا کہ چلو ہمارے بھائیوں کی ایک خاصی تعداد تو آزادی کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو سکے گی۔

ریاست جموّں و کشمیر ایک مسلمان اکثریت والی ریاست تھی۔ لیکن بدقسمتی سے حکمران ہندو ڈوگرہ تھا۔ اُس کا حدود اربعہ بھی ایسا تھا کہ اُسے پاکستان میں شامل ہونا تھا۔ کشمیر میں سکھوں اور ڈوگروں کے عہدِ حکومت میں ناروا ظلم و ستم اور قدرتی آفات میں عوام کے ساتھ غیر مسلم حکمرانوں کی بے حسّی کی وجہ سے کافی لوگ کشمیر سے ہجرت کر کے پنجاب اور سرحد کے متصلہ علاقوں میں آباد ہوتے رہے۔ لیکن وہ اپنے وطن اور اپنے بھائیوں کے مسائل سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ چنانچہ امرتسر، لاہور، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، گجرات، جہلم، راولپنڈی اور پشاور کے تمام پرانے کشمیری ریاست کشمیر کے بھائیوں پر ڈوگروں کے ظلم و ستم کے خلاف احتجاج کرتے رہے۔ انہوں نے یہاں پر کشمیری برادری کی انجمنیں بنائے رکھیں اور ہر موقع پر کشمیر کے لوگوں کی عملی مدد کرتے رہے۔ اُن کی آزادی کی ہر تحریک میں انہوں نے ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔ اور اُن سے ہر قسم کے روابط رکھے۔ آپ ذرا سوچئے تو سہی کہ جموّں سے سیالکوٹ گوجرانوالہ یا لاہور اور مظفر آباد، کوہالہ یا پلندری سے راولپنڈی، میرپور سے جہلم اور بھمبر سے گجرات دور ہی کتنا ہے۔ ان کی آپس میں رشتہ داریاں قائم ہیں۔ اور ان کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں۔

اسی طرح اس علاقہ کے مسلمانوں کے معاملات میں بھی کشمیری مسلمانوں نے غلام ریاست کے باشندے ہونے کے باوجود رشتے اور تعلقات قائم رکھے۔ کشمیر کے سکول کالج بھی چونکہ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ہی منسلک تھے۔ اس لئے اُن کا پنجاب میں کافی آنا جانا رہتا تھا صبح جموّں سے ایک ریل گاڑی چلتی تھی جو لاہور جاتی اور شام کو سواریوں

کو واپس لاکر جموں توی اسٹیشن تک پہنچاتی۔ اس لئے جنگ عظیم دوم کے دوران برصغیر میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں سے ریاست کے باشندے بے خبر نہ تھے۔ چنانچہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے وسیع منٹو پارک میں "قراردادِ لاہور" جسے بعد میں "قراردادِ پاکستان" کہا گیا۔ جب تمام ہندوستان کے نمائندہ مسلمانوں کے اجلاس میں پیش کی گئی۔ تو اُس میں کشمیر کے مسلمانوں کی نمائندگی بھی موجود تھی۔ جس سے کشمیری مسلمانوں کے اس علاقے کی سیاسی کارروائیوں میں شامل ہونے کی پوری شہادت ملتی ہے۔ اُس وقت چونکہ وہ ایک غیر مسلم یعنی ہندو حکمران کے زرخرید غلام تھے۔ اس لئے وہ ان معاملات میں کھل کر اظہار نہیں کر سکتے تھے لیکن اپنے بھائیوں کے مفاد سے ہرگز غافل نہ تھے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ ان کی دلچسپی بڑھتی گئی۔ چنانچہ کشمیر کے پنجاب اور سرحد کے قریبی علاقے کے لوگ جن کی آمدورفت ادھر زیادہ رہتی تھی۔ یہاں کے معاملات میں حصّہ لیتے رہے۔ اس لئے کشمیر کے مسلمانوں کو پاکستان میں شامل علاقوں کے مسلمانوں سے کسی طرح بھی علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

پنجاب کے ان ملحقہ شہروں میں کشمیر سے پھل اور دوسری اشیاء آتیں اور عمارتی لکڑی بھی دریاؤں کے ذریعے انہی منڈیوں میں پہنچتی تھی۔ اس لئے ان کے آپس میں معاشی اور معاشرتی تعلقات بھی تھے۔ اور مفادات بھی مشترک تھے۔ وادیٔ کشمیر کے لوگوں پر شیخ عبداللہ کی شخصیّت کا کچھ ایسا سحر چھایا ہوا تھا۔ جس نے ان کے مفادات کو بھارت کے ہاتھ گروی رکھ دیا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ یہ سحر بھی ٹوٹتا گیا۔ اور لوگوں پر یہ ظاہر ہونا شروع ہو گیا۔ کہ کشمیریوں کے مفادات بھارت کے

ساتھ منسلک رہنے کی وجہ سے ہمیشہ نقصان کی زد میں رہیں گے۔ کیونکہ بھارت سے ملنے والا راستہ غیر قدرتی اور مصنوعی ہے اور بھارتی اکثریتی مذہب ہندومت کی مذہبی منافرت اور چھوت چھات کی تفریق میں فراخ دل کشمیری کسی طرح بھی نہیں پنپ سکتے۔ جبکہ پاکستان کے لوگوں سے ان کی مذہبی ہم آہنگی ہے اور اُس کے عوام اور ملک کے ساتھ کشمیر کے راستے، رشتے ناطے تمام قدرتی ہیں۔ جنہیں کسی طرح بھی ختم نہیں کیا جا سکتا۔

اس لئے انہوں نے کشمیر کے بھارت کے ساتھ الحاق کو یکسر مسترد کر دیا ہے اور شیخ عبداللہ اور پھر اُس کے بعد اُس کے کھلنڈرے بیٹے فاروق عبداللہ کے اُن خوابوں کو بھی چکنا چور کر دیا۔ جو وہ کشمیر کو خود مختار بنانے کے سلسلے میں دیکھتے رہے تھے۔ کشمیر کے نوجوانوں نے اپنی تحریک کا آغاز پاکستانی کرکٹ ٹیم کے بھارتی ٹیم سے جیت جانے پر جشن منا کر کیا۔ پاکستان کے ہر قومی دن پر پاکستانی پرچم لہرانا اور جلسے جلوس نکالنا اُن کا معمول بن گیا۔ آہستہ آہستہ تحریک زور پکڑتی گئی تو انہوں نے مخبروں کی خبر لینی شروع کی۔ پھر دفاعی لائن ترک کر کے فوجیوں کے خلاف جارحیّت شروع کر دی۔ بھارتی فوجی جتنا ظلم کرتے رہے۔ جتنی انسانی قدروں کی نفی کرتے رہے۔ کشمیریوں کا بھارتی فوجیوں سے نفرت کا اظہار بھی اتنا ہی بڑھتا گیا۔ بھارتیوں نے کشمیری عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور نوجوانوں سے ایسے غیر انسانی اور غیر اخلاقی سلوک کئے جنہیں لکھنا بھی ممکن نہیں۔ ان تمام کارروائیوں کی وجہ سے کشمیریوں کی بھارت سے نفرت اور پاکستان سے محبت بڑھتی گئی۔ لطف کی بات یہی ہے کہ حریّت پسندوں کی تمام جماعتوں میں کوئی بھی خود مختاری کا حامی نہیں۔ سبھی کشمیر کے پاکستان

سے الحاق کی خواہش مند ہیں۔ اب بھارتی حکومت کے خلاف آزاد دنیا کا ردِّ عمل ظاہر ہونا شروع ہو گیا ہے۔ دنیا میں جبر اور غیر ملکی تسلّط کے خلاف ساری قومیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔ اور اس سلسلے میں دنیا کے عوام کا رویّہ بھی مثبت ہو گیا ہے۔ اس لئے مسئلہ کشمیر کو اب پرانے نہیں نئے تناظر میں دیکھنا اور حل کرنا ہوگا۔ جس میں کشمیریوں کی ذاتی رائے کو ہی فوقیت حاصل ہوگی۔ اس لئے بھارت کو اب کشمیریوں کے حقِ خود ارادیت دینا ہی پڑے گا۔ نہ صرف کشمیریوں کو بلکہ سکھوں، تاملوں، گھورکھوں اور میزو قبائل کو بھی جو ایک مدّت سے گلو خلاصی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں روس کی طرح بکھر جانا بھارت کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔ جس کی ابتداء انشاء اللہ کشمیریوں کے بھارتی جبر و استبداد سے چھٹکارے سے ہوگی۔ اب وہ دن دور نہیں جب کشمیری اپنے پاکستانی بھائیوں سے آملیں گے۔ کیونکہ قدرتی اور خونی رشتوں کی بحالی ہی سے انسانوں کو صحیح روحانی خوشی میسّر آسکتی ہے۔ اور پھر کشمیری عوام کے مفاد بھی سارے کے سارے پاکستان سے وابستہ ہیں۔ کیونکہ انہیں پاکستان بھی اتنا ہی عزیز ہے۔ جتنا کشمیر۔ کشمیر کے سر بفلک پہاڑ پاکستان کے میدانوں کی قدرتی حصار کا کام دیتے ہیں۔ جبکہ پاکستان کشمیر کی ڈیفنس لائن ہے۔ کشمیر کے محلِ وقوع کے اعتبار سے اُس کا ایک مربوط اور مضبوط ملک سے الحاق نہایت ضروری ہے۔ جس سے اس کے صرف کاغذی یا زبانی رشتے نہ ہوں۔ بلکہ خونی، نسبی، مذہبی اور ہمہ وقتی زمینی رشتے ہوں۔ تاکہ آنے والے دور کی نعمتوں سے ان علاقوں کے تمام لوگ پوری طرح مستفید ہو سکیں۔ اور کشمیر جنّت نظیر صحیح معنوں میں جنّت کہلوانے کی

حق دار ہو سکے۔ مقبوضہ کشمیر سے جو کشمیری پچھلے چند سالوں میں آزاد کشمیر میں آئے ہیں۔ وہ مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر کا تقابلی جائزہ لے کر اس کا پوری طرح سے تعیّن کر سکیں گے۔ کہ معاشرتی۔ معاشی اور اسلامی شعائر کے سلسلے میں دونوں علاقوں میں کتنا فرق ہے۔؟ یہ فرق انشاء اللہ بہت جلد دور ہو جائے گا۔ جب وہ خود بھی اسی ملک اور معاشرے کا ایک حصّہ بن جائیں گے۔

کشمیر کے پاکستان سے الحاق کے سلسلے میں کشمیری مسلمانوں کی اکثریّت کی سوچ کے ثبوت میں ہم مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کی منظور شدہ قرارداد الحاقِ پاکستان مورخہ ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء اور کشمیری حریّت پسندوں کی سب سے بڑی اور ڈیڑھ درجن تنظیموں کی سرخیل جماعت جموّں و کشمیر حزب المجاہدین کی منظور کردہ قرارداد الحاقِ پاکستان مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۰ء کا مکمل متن پیش کرتے ہیں تاکہ کشمیریوں کی سوچ کے سفر کا اظہار ہو سکے۔

قراردادِ الحاقِ پاکستان

ا :۔ آل جموّں و کشمیر مسلم کانفرنس کا یہ کنونشن اس قرارداد کے ذریعے قیامِ پاکستان پر اپنے قلبی اور مسرّت کا اظہار کرتے ہوئے قائدِ اعظم کو اپنی مبارک باد پیش کرتا ہے۔

ب :۔ برصغیر کی ریاستوں کے عوام کو امید تھی کہ برطانوی ہندوستان کے دوسرے باشندوں کے دوش بدوش قومی آزادی کے مقاصد کو حاصل کریں گے۔ اور تقسیم ہندوستان کے ساتھ جہاں برطانوی ہندوستان کے تمام باشندے آزادی سے ہم کنار ہوئے۔ وہاں ۳ جون

۱۹۴۷ء کے اس اعلان نے برصغیر کی نیم مختار ریاستوں کے حکمرانوں کے ہاتھ مضبوط کئے ہیں۔ اور جب تک یہ مطلق العنان حکمران وقت کے جدید تقاضوں کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں گے۔ ہندوستانی ریاستوں کے عوام کا مستقبل بھی بالکل تاریک رہے گا۔ ان حالات میں ریاست جموں و کشمیر کے عوام کے سامنے تین راستے ہیں۔

۱:۔ ریاست کا بھارت کے ساتھ الحاق۔

۲:۔ ریاست کا پاکستان کے ساتھ الحاق

۳:۔ کشمیر میں ایک آزاد خود مختار ریاست کا قیام۔

مسلم کانفرنس کا یہ کنونشن بڑے غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ جغرافیائی، لسانی و ثقافتی اور مذہبی اعتبار سے ریاست کا پاکستان کے ساتھ الحاق نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ ریاست کی آبادی کا ۸۰ فیصد حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے اور پاکستان کے تمام بڑے دریا جن کی گذرگاہ پنجاب ہے کے منبع وادیٔ کشمیر میں ہیں۔ اور ریاست کے عوام بھی پاکستان کے عوام کے ساتھ مذہبی اور ثقافتی رشتوں میں مضبوطی سے بندھے ہوئے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ریاست کا الحاق پاکستان سے کیا جائے۔ یہ کنونشن مہاراجہ کشمیر سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ کشمیری عوام کو داخلی طور پر مکمل خود مختاری دی جائے۔ اور مہاراجہ ریاست کے آئینی سربراہ کی حیثیت اختیار کرتے ہوئے ریاست میں ایک نمائندہ قانون ساز اسمبلی کی تشکیل کریں اور دفاع، مواصلات اور امور خارجہ کے محکمے پاکستان دستور ساز اسمبلی کے سپرد کئے جائیں۔

کنونشن یہ قرارداد دیتا ہے کہ اگر حکومت کشمیر نے ہمارے

مطالبات تسلیم نہ کیے اور مسلم کانفرنس کے اس مشورے پر کسی داخلی یا خارجی دباؤ کے تحت عمل نہ کیا گیا اور ریاست کا الحاق ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کے ساتھ کر دیا گیا۔ تو کشمیری عوام اس فیصلے کے مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور اپنی تحریک آزادی پورے جوش و خروش سے جاری رکھیں گے۔

مسلح جدوجہد کا سنگِ میل

حزب المجاہدین کی تاریخ ساز قراردادِ الحاقِ پاکستان

۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء سے ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۰ء تک ۵۱۹ مہینوں کا طویل فاصلہ ہے۔ اس طویل عرصے کے دوران ہر نیا دن اپنے جلو میں کشمیریوں کے لئے ایک نئی مصیبت اور قیامت لے کر آتا رہا۔ ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو مسلم کانفرنس نے سری نگر کے مقام پر ایک قرارداد کے ذریعے کشمیریوں کی قسمت کو پاکستان سے وابستہ کرنے کا جو تاریخ ساز فیصلہ کیا تھا۔ نادان دوستوں اور دانا دشمنوں ہر دو نے اپنی بساط اور ذہنی اپروچ کے مطابق اس منزل کو کھوٹا کرنے کی کوشش کی حد تو یہ ہے کہ کشمیر کی موجودہ مسلح جدوجہد میں ایک گہری سازش کے ذریعے اس مقصد کو نگاہوں سے اوجھل کرنے کے لئے منظم کوششیں ہوئیں۔ لیکن ۵۱۹ مہینوں کے یہ فاصلے اس وقت قربتوں میں ڈھل گئے۔ جب ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو کشمیر کی سب سے بڑی مسلح تنظیم اور ڈیڑھ درجن تنظیموں کی سرخیل، جموں و کشمیر حزب المجاہدین نے اپنے خفیہ ہیڈ کوارٹر پر ایک سات نکاتی تاریخ ساز قرارداد پاس کر کے مسلح جدوجہد پر گہری نظر رکھنے والے دوستوں اور دشمنوں کو چونکا دیا۔ اور اسے قراردادِ الحاقِ پاکستان کا نام

دیا گیا۔ اب یہ قرارداد مسلح جدوجہد کا سنگِ میل ٹھہری۔ کیونکہ اس کے ذریعے کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد کو پہلی مرتبہ واضح طور پر نظریاتی رُخ عطا ہوا۔ اور یہ وقت، حالات اور عوام کا مطالبہ تھا۔ جسے حزب نے پورا کر کے عوامی امنگوں کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔ جب کہ اس سے پہلے بھارت نواز حلقے تحریکِ جہاد کو نوجوانوں کا بے مقصد ہنگامہ یا داخلی خود مختاری کی جنگ کہہ کر عوام کو گمراہ کرنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ نظریاتی رُخ ملنے کے بعد تحریکِ جہاد کا چہرہ نکھر کر سامنے آ گیا تینتالیس سال قبل کشمیریوں کی ملی تنظیم نے پاکستان سے الحاق کا جو فیصلہ کیا تھا۔ آج ان کی نئی نسل نے اس کی توثیق کر کے ہر قسم کے شبہات کو دفن کر دیا۔ سری نگر کے ایک اخبار نے اسے "تجدیدِ وفا" کا نام دیا اس کے ساتھ ساتھ امریکہ کے یہودی اسٹیفن سولارز اور بھارت کے دانش ور مینو ملیسانی کی امیدوں پر بھی اوس پڑ گئی۔ جو کشمیریوں کو "تیسرے راستے" پر نکل جانے کے مشورے دے رہے تھے۔ تاریخی حیثیت اور دور رس نتائج کا حامل ہونے کی وجہ سے اسے مسلح جدوجہد کا نقطۂ معرکہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ سات نکات پر مشتمل اس قرارداد میں روایتی انداز سے ہٹ کر شدید تلخی بھی جھلکتی ہے۔ اور پانچویں نکتے میں واضح طور پہ تلخی پائی جاتی ہے۔

حزب المجاہدین کے اس اجلاس کے لئے غیر معمولی حفاظتی اقدامات کئے گئے تھے۔ سری نگر میں خفیہ ٹھکانے کے ارد گرد میلوں تک مجاہدین غیر محسوس انداز سے سکیورٹی کے فرائض سنبھالے ہوئے تھے۔ کیونکہ اس اجلاس میں حزب کے سرپرستِ اعلیٰ سید صلاح الدین، امیر شمس الحق،

کمانڈر انچیف احسن ڈار سمیت فوجی و سیاسی مشیروں اور ایڈوائزری کونسل کے ارکان بھی شریک تھے۔ ۲۷ گھنٹے کی بحث و تمحیص کے بعد قرارداد کے مسودے کو حتمی شکل دے دی گئی۔ اس قرارداد کا اصل متن درج ذیل ہے۔

۱:۔ حزب المجاہدین جموں و کشمیر کا یہ غیر معمولی اجلاس اس قرارداد کے ذریعہ بھارتی تسلط سے مکمل آزادی کے بعد جموں و کشمیر کی تمام جغرافیائی اکائیوں کا الحاق مملکتِ خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان سے کرنے کا عہد کرتے ہوئے قلبی مسرت و طمانیت کا اظہار کرتا ہے۔

۲:۔ حزب المجاہدین جموں و کشمیر پاکستان سے ریاست جموں و کشمیر کے الحاق کی اس قرارداد کی حرف بہ حرف تائید کرتی ہے۔ جو قیامِ پاکستان سے قبل آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے اکابرین نے ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کے کنونشن میں اتفاق رائے سے پاس کی تھی۔

۳:۔ حزب المجاہدین جموں و کشمیر کا علیٰ وجہ البصیرۃ یہ عندیہ رہا ہے کہ پاکستان کے ساتھ الحاق موجودہ مسلح جدوجہد کا نکتۂ عروج ہے ہماری محکوم قوم نے ہمیشہ پاکستان کے دوش بدوش اسلام کے احیا اور اقامتِ دین کے سلسلے میں اپنے دینی فرائض سرانجام دینے کو اولیت دی۔ چونکہ اسلام کی تعلیمات میں قومی ریاستوں کا کوئی ادنیٰ سا تصور بھی نہیں تھا۔ بلکہ اس کے برعکس قرآنِ پاک عرب و عجم کے مسلمانوں کو امتِ واحدہ ہونے کی بشارت سناتا ہے۔ اس لئے قومی عصبیت کے تمام موجودہ مظاہروں کو سختی سے رد کرتے ہوئے ہم پاکستان کے ساتھ جموں و کشمیر اور شمالی علاقہ جات کے الحاق کی قرارداد منظور کرتے ہوئے، ایک اہم

اور ناگزیر دینی فریضہ سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ الحاقِ پاکستان کی صورت میں ہم ایران، افغانستان، وسط ایشیا کی مقبوضہ مسلم مملکتیں ترکی، بنگلہ دیش اور بھارت کے مسلم اکثریتی علاقہ جات کی ایک عظیم تر اسلامی کنفیڈریشن معرضِ وجود میں لانے کا نظریاتی احساس رکھتے ہیں۔ یہ مذکورہ اسلامی کنفیڈریشن کے ذریعہ ہم خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا پورے عالمِ اسلام میں احیاء چاہتے ہیں۔

۴:۔ حزب کی تحریکی جدوجہد کا محور وطنیت، قومیت، لسانی عصبیت، علاقائی انفرادیت یا انسانوں کے تراشیدہ کسی خدا بیزار نظریئے کی فوقیت کی بجائے، اسلام کی وحدت، اس کے اصولوں کی آفاقیت اور اس کی ابدیت کے گرد گھومتی ہے۔ ہماری شدید خواہش ہے کہ عالمِ اسلام میں پاکستان کی تخلیق سے رنگ و نسل اور زبان و ثقافت کے بتوں کو توڑ کر ایک وفاقی نظام میں مسلمانوں کے پرونے کا جو تاریخ ساز کارنامہ علامہ اقبالؒ نے انجام دیا۔ اس کی تکمیل کے لئے پاکستان سے کشمیر کا الحاق موجودہ دنیا پر اسلام کے فاتحانہ اصولوں کی عظمت و افادیت ایک بار پھر واضح ہو جاتے۔ حزب المجاہدین کا یہ تاریخی اجلاس الحاق کے ذریعہ اقوام عالم پر یہ حقیقت ثابت کرنا چاہتا ہے کہ صرف اور صرف اسلام کی بنیاد پر وفاقی نظام کے دائرے میں قومیتوں کے جھگڑے، زبانوں کے تنازعے، معاشی ناہمواریاں اور معاشرتی طبقہ بندی کی لعنت ختم کی جا سکتی ہے۔ اسلام دشمن سامراجی قوتوں نے آج تک اسلام کے اس آفاقی اصول پر کسی نظمِ مملکت کو استوار کرنے میں رکاوٹیں ڈالنے کی جو مذموم کوششیں کیں ریاست جموّں وکشمیر کا پاکستان سے الحاق ان تمام طاغوتی حربوں کے

خلاف اعلانِ جنگ ہوگا۔ مزید برآں پاکستان کا تخیل اس وقت تک نامکمل ہے کہ جب تک پورا کشمیر پاکستان کے ساتھ الحاق کے فطری رشتے میں پیوست نہ ہو۔ نیز ملی اتحاد اسلامی تشخص اور روحانی شناخت بھی کشمیر کا الحاق پاکستان سے ہونے کی غیر مبہم دلیل ہے۔

۵:۔ حزب المجاہدین جموّں وکشمیر کے نزدیک کشمیر کی خود مختاری کا نعرہ بے احتیاط سوچ کا نتیجہ ہے۔ یہ سوچ اسلام کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے کی ایک غیر شعوری کوشش ہے۔ اور اس سے صرف اسلام دشمن قوتوں، سامراجی طاقتوں اور طاغوتی نظام کے علمبرداروں کے ہاتھ مضبوط ہو سکتے ہیں۔ جو ملت کی شیرازہ بندی کو اپنے لئے پیغام مرگ سے کم نہیں سمجھتے اس نظریہ کی بنیاد پر کشمیر کے اندر محض اسلام کے دیئے ہوئے وحدت کے اصولوں کی نفی ہو سکتی ہے۔ اس کی بدولت اسلام کو ثانوی اور کشمیری قوم پرستی کو اولیت دی جاتی ہے۔ جو ہماری ۱۹۹۰ء سے برپا کردہ تحریک سے صریح انحراف ہے۔ مجوزہ خود مختاری کے نتیجے میں مختلف اسباب کے تحت بھارتی تسلط کے آگے کشمیریوں کی محرومی، محکومی اور طبقہ بندی کی نئی نئی شکلیں لازماً وجود میں آجائیں گی۔ اس صورت میں کشمیر اپنی معاشی، فوجی اور دوسری ضروریات کے لئے بھارت کا دستِ نگر ہو جائے گا۔ یوں آزادیٔ کشمیر کی موجودہ تحریک بے معنی اور مہمل ثابت ہوگی۔ کیونکہ عملاً کشمیر میں بھارت کی موجودہ غاصبانہ بالادستی اور حقِ حکمرانی دوسرے ذرائع سے اپنا وجود منواتی رہے گی۔ جس کی واضح مثالیں بنگلہ دیش، بھوٹان، نیپال اور مالدیپ جیسے نیم آزاد اور نیم غلام ریاستوں سے دی جا سکتی ہیں۔ مزید برآں بھارتی تسلط سے آزادی

کی موجودہ جنگ محض زمین کے ایک ٹکڑے پر سرسبز و شاداب فطری مناظر پر اپنا حقِ ملکیت جتلانے کی لڑائی نہیں۔ بلکہ یہ دو قوموں کے روحانی رویّوں کے تضاد کی علامت ہے۔ وہ معاشی، معاشرتی، سیاسی، ثقافتی، تہذیبی، نکتہ ہائے نظر کے درمیان ایک نہ ختم ہونے والی آویزش ہے۔ جس کی ابتداً میں بھی دینی نظریات کی کارفرمائی ہے اور جس کے اختتام میں بھی دینی تصورات دخل انداز ہیں۔ اس لئے اس تصادم کو محض قومی عصبیت اور قوم پرستی کے ملحدانہ تنگ دائروں میں سمیٹ کر حقائق کا خون "خودمختاری" کی آسیب زدہ تلوار سے بہانا، ایک غلط، مہلک اور باغیانہ سوچ کا نتیجہ ہے۔

۶:۔ حزب جہاں پاکستان میں کشمیر کو پیوست کرنے سے دینی ثقافت اور شرعی مطالبات سے ہم نوائی کر لیتی ہے۔ وہیں جغرافیائی، اقتصادی، لسانی، ثقافتی اور نفسیاتی پہلوؤں سے ہم آہنگی اور یکسانیت کا مظاہرہ کرتی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وطنِ عزیز کے نہ صرف بڑے بڑے دریاؤں کا رخ پاکستان کی جانب ہیں۔ بلکہ ہماری قوم کے جذبات کا بہاؤ بھی مملکت خداداد کی طرف پچھلے ۴۳ سال سے جاری و ساری ہے کشمیر اور پاکستان کی سرحدیں بھی مشترک ہیں۔ ہماری تجارتی گزرگاہیں یکساں۔ ہمارا تہذیبی شعور اور تاریخی پرواز بھی مشترک ہے۔ اس لئے پاکستان سے کشمیر کا الحاق ایسی ابدی اور اٹل حقیقت ہے جسکو جھٹلانے کی کوئی بھی کوشش احمقانہ اور بے سود ثابت ہوئی اور ہوگی

۷:۔ حزب المجاہدین بھارتی سامراج کو یہی مخلصانہ مشورہ دیتی ہے کہ وہ کشمیر کے مسئلہ کے منصفانہ اور آبرومندانہ حل اقوام متحدہ کی منظور شدہ قراردادوں کی روشنی میں جلد از جلد ڈھونڈ کر اپنی بین الاقوامی ذمہ داری پوری کرے۔ حزب بھارت کے قائدین پر واضح کرتی ہے کہ ہمارا جہاد اسوقت تک برابر جاری رہیگا جبتک بھارت کی طاغوتیت اور اسکی ریتلی عمارت کشمیر کی سرزمین پر پیوندِ خاک نہیں ہوتی

مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالی

بھارتی حکومت اور فوج جس طرح سے انسانی حقوق کو پامال کر رہی ہے۔ اس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ لیکن جس حوصلے اور صبر سے کشمیری یہ مظالم سہہ رہے ہیں۔ یہ بھی برداشت کی انتہا ہے۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے۔ کشمیری بہت جلد بھارت سے نجات حاصل کر لیں گے۔ کشمیریوں پر ہونے والے غیر انسانی مظالم کی کچھ تفصیل دی جاتی ہے پچھلے تین سال سے مقبوضہ کشمیر میں مندرجہ ذیل کالے قانون نافذ ہیں۔ جن سے انسانی حقوق کی نفی ہوتی ہے۔

۱:۔ پبلک سیفٹی ایکٹ۔ اس قانون کے تحت کسی بھی شخص کو دو سال تک کے لئے کسی مقدمے کے بغیر یا عدالت میں پیش ہوئے بغیر قید کیا جا سکتا ہے۔ اور اس میں ایک ترمیم کے تحت گرفتار شدگان کو جموں و کشمیر سے باہر بھی کسی جیل میں رکھا جا سکتا ہے۔ اسی قانون کے تحت تقریباً چار ہزار کشمیری بھارت کی مختلف جیلوں میں قید ہیں۔ جن میں راجستان میں سات سو، تہاڑ جیل میں ایک ہزار، مدھیہ پردیش میں پانچ سو کے قریب قیدی ہیں۔ اس کے علاوہ ہریانہ، اتر پردیش اور بہار

کی جیلوں میں بھی کشمیری نوجوان قید ہیں۔ جن سے وہاں پر غیر انسانی سلوک روا رکھا گیا ہے۔

۲:۔ ڈسٹربڈ ایریا ایکٹ۔ ۱۸ جون ۱۹۹۰ء سے مقبوضہ کشمیر میں ترمیم شدہ بل لاگو کیا گیا ہے۔ جس سے کسی بھی شخص کو وجہ بتائے بغیر اور مجسٹریٹ کے حکم کے بغیر گرفتار کیا جاسکتا ہے۔ اور رات کے وقت ضابطہ فوجداری کی سہولتوں کے بغیر گھروں کی تلاشی کی جاسکتی ہے۔ پولیس سی آر۔ پی ایف اور بارڈر سکیورٹی فورس کے سپاہی کو اختیارات دیئے گئے ہیں۔ کہ وہ کسی بھی وقت کسی بھی مکان کی تلاشی لے سکتا ہے۔ عورتوں کی بھی تلاشی لی جاسکتی ہے۔ جبکہ ضابطہ فوجداری کے تحت عورتوں کی تلاشی صرف زنانہ پولیس ہی لے سکتی ہے۔ یہ سہولت ترمیم کے بعد چھین لی گئی ہے مکانوں کو آگ لگائی جاسکتی ہے۔ چنانچہ اس کے نافذ ہونے کے بعد ۷۰۰ کے قریب مکان نذر آتش کئے جا چکے ہیں۔ جس سے تقریباً دس ہزار لوگ بے گھر ہو چکے ہیں۔ اور کئی افراد زندہ جل چکے ہیں۔ جن میں پانچ معصوم بچے اور عورتیں بھی شامل ہیں۔

۳:۔ آرمڈ فورسز سپیشل پاور آرڈیننس۔ کالے قانون کی تاریخ میں یہ بدترین قسم کا قانون ہے۔ اس قانون کے تحت پولیس۔ سی آر پی ایف کے ہیڈ کانسٹیبل اور اس سے اوپر کے رینک کے کسی بھی ملازم کو اختیار حاصل ہے۔ کہ وہ کسی بھی شخص پر گولی چلا سکتا ہے۔ کسی بھی مکان میں گھس سکتا ہے۔ آگ لگا سکتا ہے۔ یہ ایسا قانون ہے۔ جس کے تحت مقبوضہ کشمیر میں کسی کی زندگی بھی محفوظ نہیں رہی۔ عام طور پر گولی صرف سیلف ڈیفنس میں چلائی جاسکتی ہے۔ لیکن اس قانون کے تحت صرف شک کی بنا

پر بھی کسی شخص کو ہلاک کیا جاسکتا ہے۔ بھارتی پیپلز یونین فار سول رائٹس کے صدر نے اسے کالے قانون کی بدترین مثال قرار دیا۔

بھارتی فوجیوں کو جو کھلی چھٹی مل گئی ہے اس نے ان کالے قوانین کے تحت اور فوجی کمانڈروں کے انتقامی رویّے کی وجہ سے کشمیریوں کو اپنے حقوق کی بازیابی کی جنگ سے روکنے کے لئے جو جو غیر انسانی مظالم روا رکھے ہوئے ہیں اُن کی تفصیل بیان کرنا ممکن نہیں صرف چند چیدہ چیدہ واقعات درج کئے جا رہے ہیں

کشمیری حریت پسندوں کا قتل عام

عالمی نشریاتی ادارہ بی بی سی، وائس آف امریکہ اور وائس آف جرمنی نے ۱۱ اور ۱۲ جون ۱۹۹۱ء کو اپنی خبروں اور خصوصی رپورٹ میں سری نگر شہر میں بھارتی فوج کی اس بلا جواز اور بے تحاشا وحشیانہ فائرنگ کی جو تفصیل دی ہے۔ اس کے مطابق زینہ کدل میں بھارتی فوج نے ایک حملے کے بعد پاگلوں کی طرح سری نگر شہر کے بازاروں اور سڑکوں پر چلتے ہوئے اور اپنی دوکانوں پر بیٹھے ہوئے کشمیریوں پر بے دریغ فائرنگ کی۔ جس سے ۶۴ سے زائد بے گناہ شہری شہید ہوئے جن میں ایک خاتون تین معصوم بچے بھی شامل ہیں۔ اور زخمیوں کی تعداد سو سے زیادہ بتائی گئی ہے۔ سری نگر کے تمام ہسپتال انسانی لاشوں اور زخمیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ فوج نے کرفیو لگا کر جنازوں پر بھی پابندی لگا دی۔ اور ایک جنازے کے ساتھ صرف ۴ افراد کو مزار شہید تک جانے دیا گیا۔

بھارتی فوج نے اسی طرح شہید میر واعظ مولوی محمد فاروق مرحوم کے جنازے کے موقع پر بھی فائرنگ کر کے ۳۰۰ کشمیری مسلمانوں

کو شہید کیا تھا۔ جس سے میر واعظ کی میّت پر بھی ۱۸۔ زخم آئے تھے ایک سال قبل گریز ویلی میں بھی اسی طرح ۳۲ کشمیری نوجوانوں کو شہید کر دیا گیا تھا۔

سانحۂ کپواڑہ :۔ ۶ر مئی ۱۹۹۱ء میں بھارتی فوج نے ایک سو مجاہدین کو گھیرے میں لے کر فائرنگ شروع کر دی۔ جواب میں انہوں نے بھی فائرنگ کی اور ہتھیار نہیں ڈالے۔ اس طرح سے بھارتی فوج نے اُن تمام کو شہید کر دیا۔ اس بہیمانہ قتل پر کپواڑہ سرینگر اور تمام وادی میں زبردست احتجاج کیا گیا۔ اور کپواڑہ میں کرفیو کے باوجود جلوس نکالا گیا۔ جامع مسجد سری نگر میں ڈیڑھ لاکھ افراد نے جمع ہو کر بھارتی حکومت کی اس اجتماعی قتل و غارت پر مذمت کی اور جہاد جاری رکھنے کے عزم کا اظہار کیا اور اس کے لئے ہر قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرنے کا عہد کیا

اس سے قبل ۲۵ر اور ۲۶ر جون ۱۹۹۰ء کی درمیانی رات کو بھی ضلع کپواڑہ میں کنٹرول لائن کے قریب چوکی بل میں انہی حالات میں ۶۶ کشمیری نوجوانوں کا قتلِ عام ہوا تھا۔ سری نگر ہائی کورٹ کے حکم کے باوجود بھارتی فوج نے ان کشمیری نوجوانوں کی لاشیں بھی اُن کے لواحقین کو نہیں دی تھیں۔

بھارتی فوج نے ۹ر جولائی ۱۹۹۱ء کی رات کو کنٹرول لائن کے قریبی علاقے کپواڑہ میں ۱۳۰ر کشمیری نوجوانوں کو ایک کھلی جگہ لا کر قتل کر دیا۔ اُن معصوم کشمیریوں کی عمریں ۱۵ سے ۲۵ سال کے درمیان تھیں۔ طہران ریڈیو کے مطابق ان بے گناہ کشمیریوں کو مختلف علاقوں سے اُن کے گھروں سے گرفتار کر کے کپواڑہ لایا گیا۔ اور کنٹرول

لائن کے قریب قتل کر دیا گیا۔ اُن کی لاشیں کھلے آسمان تلے پڑی رہیں اُن پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ اور کسی کو بھی ان کے قریب نہیں جانے دیا گیا ۱۱ر جولائی کو مقبوضہ کشمیر میں ان بے گناہ کشمیری نوجوانوں کے قتلِ عام کے خلاف مکمل ہڑتال رہی۔ لوگ سڑکوں پر نکل آئے اور عورتوں نے اپنے بچوں اور بھائیوں کی موت کا ماتم منایا اور پُرزور احتجاج کیا۔

۲۱ر فروری ۱۹۹۱ء کی رات کو ایک خاتون ظریفہ کو جو ۹ ماہ کی حاملہ تھی۔ جب اُس کے ساتھ پانچ بھارتی فوجی درندوں نے نہ صرف زیادتی کی بلکہ بعد میں اُس پیٹ پر ٹھوکریں۔ اور اس طرح بہیمانہ ظلم کے چار دن بعد اُس نے ایک ایسا بچہ جنم دیا۔ جس کی ٹانگ شکمِ مادر میں ہی ٹوٹ گئی تھی۔

بیسک رائٹس کمیٹی کے سربراہ ریٹائرڈ جسٹس مفتی بہاؤالدین فاروقی نے ایک اخباری بیان میں انکشاف کیا ہے کہ وادی کے مختلف علاقوں کے ۴۷ باشندوں کو گرفتار کر کے نامعلوم مقامات پر لے جایا گیا ہے۔ ان کے متعلق نہیں بتایا گیا کہ انہیں کہاں رکھا گیا ہے۔ کمیٹی نے ان تمام افراد کے نام پتے اور گرفتاری کی "تاریخ بھی جاری کی ہے۔

تین ماہ سے زیادہ مدت تک یرغمالی رہنے کے بعد سویڈن کے انجینئروں نے اپنی رہائی پر وطن روانگی سے قبل سری نگر میں پریس کے ہجوم میں مختلف سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ کشمیر میں موجودہ صورتِ حال واقعی بڑی افسوس ناک ہے۔ اور کشمیریوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے۔ اُس پر انہیں بہت دُکھ ہے۔ اُس کے حل کے متعلق انہوں نے کہا ہے۔ کہ پاکستان اور ہندوستان باہمی مذاکرات سے تمام

مسائل کا حل نکالنے کی کوشش کریں۔ انہوں نے بتایا کہ مسلم جانباز فورس نے انہیں نظربندی کے دوران ہر قسم کی سہولت فراہم رکھی۔ اور انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ تاہم اس دوران ۵۴ ٹھکانے تبدیل کئے گئے

اپریل ۱۹۹۱ء کو بھارت کے سابق وزیراعظم آنجہانی راجیو گاندھی نے بھی اعتراف کیا تھا۔ کہ بھارت کشمیریوں کے حقوق کو پامال کر رہا ہے اُن کے بیان کے مطابق کشمیر میں بھارتی فوجی افراد آپے سے باہر ہو کر کشمیریوں پر غیر انسانی تشدد کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس کی ذمہ داری بھارت کے سابق وزیراعظم شری وی۔ پی سنگھ پر ڈالی ہے۔ اور کہا کہ موجودہ بھارتی حکومت کے دور میں سینکڑوں انسان مارے گئے ہیں۔ جبکہ اُن کے وقت یعنی ۱۹۸۹ء میں صرف ۹۰ کشمیری مسلمان مارے گئے تھے۔

کشمیری نوجوانوں کا ایک اور قتل عام :۔ سری نگر سے ۳۰ میل دور پلوامہ میں بھارتی فوج نے یکم اور ۲ ستمبر ۱۹۹۰ء کی درمیانی شب کو ۲۵ کشمیری حریت پسندوں کو وحشیانہ طور پر شہید کر دیا ہے۔ اور اُن کی لاشیں دھان کے کھیتوں اور باغات میں پھینک دی ہیں۔ بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق گزشتہ تین ماہ میں نوجوانوں کے اجتماعی قتل عام کی یہ تیسری واردات ہے۔ ان مجاہدین کا سب سے بڑی تنظیم حزب المجاہدین سے تھا۔ حریت پسند ایک خفیہ مقام پر میٹنگ میں مصروف تھے جب فوج نے گھیرہ ڈال کر انہیں فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا۔

عورتوں کی بے حرمتی اور تقدس کی پامالی

بھارت میں حقوقِ انسانی کی تنظیموں کے ایک سو سے زائد کارکن جلوس کی شکل میں ایوانِ صدر دہلی گئے۔ اور صدر بھارت کو ایک یادداشت

پیش کی۔ جس میں مطالبہ کیا گیا۔ کہ مقبوضہ کشمیر میں خواتین کی بے حرمتی کے ہولناک واقعہ کے لئے سپریم کورٹ کے جج کا تقرر کیا جائے۔ وائس آف امریکہ کے مطابق بین الاقوامی ذرائع ابلاغ نے بتایا ہے کہ ۲۲ فروری ۱۹۹۱ء کی رات کو بھارتی فوجی کپواڑہ کے گاؤں پوش پورہ میں داخل ہوئے اور انہوں نے ۴۰ سے زائد کشمیری خواتین کی آبروریزی کی۔ اس کی تصدیق ان تنظیموں کے کارکنوں اور صحافیوں نے اس گاؤں میں جا کر کی۔ اور نئی دہلی واپس آ کر ایوان صدر آ کر احتجاج کیا۔ اس واقع کی تفصیلات اس لئے دیر سے سامنے آئیں کہ یہ علاقہ شدید برف باری کی زد میں تھا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سید محمد یٰسین ۳ مارچ کو اور کمشنر وجاہت حبیب اللہ ۱۸ مارچ کو گاؤں پہنچے اور دونوں نے اس اطلاعات کی تصدیق کی۔ وہ رات شب برات تھی اور تمام لوگ عبادت میں مصروف تھے۔ جب شراب کے نشے میں دھت ۱۱ بجے رات فوجی گاؤں میں داخل ہوئے تمام مردوں کو بندوقوں کی زد میں سکول کے ہال میں بند کر دیا اور تمام خواتین کو اپنی درندگی کا نشانہ بنایا۔ انہوں نے گیارہ سال کی لڑکی سے لے کر ۷۰ سال تک کی ضعیف خواتین تک کو صبح ۹ بجے تک اپنی ہوس کا نشانہ بنایا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے گاؤں میں شراب کی بکھری ہوئی بوتلوں کا ذکر بھی اپنی رپورٹ میں کیا ہے اور ۳۴ عورتوں کی فہرست بھی دی ہے۔ جبکہ بھارتی فوجیوں کی بربریت کا شکار ہونے والی عورتوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔

کشمیر میں خواتین پر بھارتی درندوں کے بہیمانہ مظالم کی تفصیل الیسٹریٹیڈ ویکلی میں بھی شائع ہوئی ہے جس کا اختصار سے متن مندرجہ ذیل ہے

میں اُن کا خون پی لینا چاہتی ہوں۔ لیکن میں کیا کروں۔ (رخسانہ عمر سولہ سال ساکن بالی پورہ) یہ اُس لڑکی کے الفاظ ہیں جس کو چار باوردی فوجی اُس کے چچا کے گھر سے پکڑ کر دھان کے کھیت میں لے گئے۔ تو وہ درد اور ذلت برداشت کرتے کرتے بے ہوش ہو گئی۔ کئی گھنٹے کے بعد اُس کی چچی نے اُسے کھیت میں بے ہوش دیکھا تو گھر لے آئی۔ اور تقریباً پندرہ دِن کے بعد وہ جسمانی طور پر نارمل ہوئی۔ مگر ذہنی طور پر وہ ایک کھنڈر بن چکی ہے۔

اگر آپ مجھے ٹریننگ دے دیں تو اُن لوگوں کو ضرور مار دوں گی۔ جنہوں نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ (شیلہ عمر ۲۲ سال ساکن پازی پورہ)

جب میں کسی بھی فوجی کو دیکھتی ہوں تو میرا جی چاہتا ہے کہ "قبر" میں گھس جاؤں۔ (رالعہ عمر ۲۹ سال ساکن کپواڑہ)

دِل کی گہرائیوں سے نکلنے والے یہ بے ساختہ تلخ کلمات اُن کشمیری خواتین کے ہیں۔ جن کو جنسی درندگی کا نشانہ بنایا گیا۔ اور ان جرائم کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جنہیں قانون نافذ کرنے والے اور دہشت گردی کو روکنے کے لئے بھارت نے وادی میں تعینات کیا ہوا ہے۔ یہ تو دیہاتی علاقوں کی حالت ہے۔ جہاں فوج اس کثرت سے تعینات ہے۔ کہ عوام کا جینا دوبھر ہو گیا ہے۔ لیکن شہری علاقے کے لوگ بھی ان درندہ صفت فوجیوں کے مظالم سے محفوظ نہیں۔ سری نگر کے نواحی علاقے لال بازار میں ایک معزز خاتون کی تین کنواری بہنوں کو زبردستی چھاؤنی لے جا کر اُن پر دو راتوں تک مجرمانہ حملوں کے بعد رہا کیا گیا۔

ضلع کپواڑہ کے مقام ترہگام (جو شہید مقبول بٹ کا گاؤں ہے۔)

میں نو عمر لڑکیوں کو زبردستی اُن کے گھروں سے گھسیٹ کر لے جایا گیا۔ اور اُن کو جسمانی اذیتیں پہنچائی گئیں۔ اہنیں فوجی بیلٹوں، رائفلوں کے کندھوں سے مارنے کے علاوہ بجلی کے جھٹکے بھی دیئے گئے۔

ٹنکواڑہ محلہ کی ۱۸ سالہ ممتاز کے بائیں گال کا گوشت دانتوں سے نوچ لیا گیا۔ اس کے کپڑے پھاڑ کر پھینک دیئے گئے۔ اور مجرمانہ حملے کئے گئے۔ اس کے بعد اُسے چُپ لگ گئی ہے۔ اس محلّے کے لوگ گھر چھوڑ کر دور گاؤں میں بھاگ گئے۔ اور ابھی چند ماہ بعد ڈرتے ڈرتے واپس آئے ہیں۔ کپواڑہ کے نزدیک ایک گاؤں "چوکی بل" میں میاں بیوی کو گرفتار کیا گیا۔ اور اہنیں آرمی کیمپ میں لے جایا گیا۔ مرد کو ایک درخت سے باندھ کر اُس کی بیوی کے ساتھ مجرمانہ زیادتی کی گئی۔ وہ آج تک خونریز غصّے سے تمتما رہا ہے۔

کپواڑہ کے بالی پورہ گاؤں میں درجنوں فوجی بڑی بے رحمی سے پازی پورہ سے بارہ خواتین کو ہانکتے ہوئے لائے اور آتے ہی اُس گاؤں کے مردوں کو بندوقوں کے کندوں سے مار مار کر گاؤں سے باہر نکال دیا اور ایک ایک عورت پر آٹھ آٹھ دس دس فوجی جھپٹ پڑے اور اہنیں برہنہ کر دیا۔ اور اہنیں پیدل چلنے پر مجبور کر دیا اور پھر کھیتوں میں اور ایک مویشیوں کے شیڈ میں لے جا کر ہر عورت کے ساتھ زیادتی کی گئی۔

ایک ۲۶ سالہ عورت صبا جس سے ہم ملے جو ایک تاریک کمرے میں سر ڈالے آنسو بہا رہی تھی۔ اُس کے ساتھ زیادتی سے قبل اُس کے خاوند اور دیور کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔

کپواڑہ کے ضلعی ہسپتال کے ایک ڈاکٹر نے اس بات کی تصدیق کی کہ پازی پورہ سے جو پانچ عورتیں لائی گئی تھیں۔ وہ مجرمانہ حملوں کا شکار ہوئی تھیں۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ کیس تو وہ ہیں۔ جو پولیس نے رجسٹرڈ کئے ورنہ بہت سے تو نوٹس میں ہی نہیں آتے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا۔ کہ وادی میں پولیس اور ڈاکٹر اس حد تک خوفزدہ ہیں۔ کہ وہ ان کیسوں کی پیروی بھی نہیں کر پاتے۔ اور انہوں نے ابھی تک جن مظلوموں کا ڈاکٹری معائنہ کیا ہے۔ اُن کی رپورٹ تیار نہیں کی۔ ایک کنواری لڑکی کے اس قدر خون بہا کہ اُس کے گردے میں خرابی ہو گئی اور وہ سری نگر کے ہسپتال میں جا کر مر گئی۔

ممتاز والی نامی ایک وکیل نے جو کپواڑہ کے واقعات کی تحقیق کر رہے تھے بتایا کہ دیلگام تھانہ جس کے تحت پازی پورہ کا علاقہ آتا ہے کے ایس ایچ او نے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۳۷۶ کے تحت آٹھ ایسے مجرموں کے بیانات تحریر کئے اور مقدمات درج کئے تھے۔ لیکن اب ان پر سپرنٹنڈنٹ پولیس اور فوج کا دباؤ ہے۔ کہ وہ ان کیسوں کو بند کر دیں

سولہ سالہ زلیخا کپواڑہ میں شالی بھٹہ محلہ کی رہنے والی ہے وہ صبح سویرے اپنی ماں کے ساتھ جا رہی تھی۔ کہ اچانک فوجیوں نے اُسے جھپٹ لیا۔ اور جنگل میں لے جا کر اُس کے ساتھ زیادتی کی۔ اور اُس کی ماں کو بھی گرفتار کر لیا۔ شام کو گاؤں کا ایک شخص ادھر سے گزرا تو اس نے زلیخا کو بے ہوشی کی حالت میں پایا۔ اور گھر لے گیا۔ لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ اور وہ موت کی آغوش میں جا چکی تھی سری نگر کے ایک ممتاز وکیل ظفر شاہ جو وادی میں مظالم کی تحقیقات کرنے

والی بار ایسوسی ایشن کے ممبر بھی ہیں۔ نے بتایا کہ مقدمہ درج کرانے کے لئے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن فوج کے پولیس پر دباؤ کی وجہ سے اکثر مقدمات درج نہیں کئے جاتے۔

سری نگر سے ۲۰ کلو میٹر کے فاصلے پر بڈگام ضلع کے وودان گاؤں میں ایک روز علی الصبح فوج کی تقریباً سو گاڑیوں کا قافلہ اس طرح نازل ہوا کہ پرامن کسانوں کی زندگیاں تباہ کر کے چلا گیا۔ تمام مردوں کو ایک مسجد میں جبراً اکٹھا کیا اور ان کے پیچھے بہت سی عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ لیکن ایک بھی کیس درج نہ کیا گیا۔

زیرِ تحقیق تمام کیسوں میں صرف ایک ہی کیس میں ایکشن لیا گیا ہے۔ جس پر بہت ہی اودھم مچا۔ مبینہ نامی ایک عورت شادی کے بعد بارات اور دولہا کے ساتھ سسرال جا رہی تھی۔ جب دس بھارتی فوجیوں نے ساڑھے گیارہ بجے ضلع اسلام آباد کے کونگام کے پاس ایک پیٹرولنگ پارٹی نے بارات کو روک لیا اور دلہن کو اغوا کر لیا۔ ۸۴ گھنٹے کے بعد رہا کیا گیا۔ ڈسٹرکٹ ہسپتال میں اس مجبور لڑکی کا علاج کرایا گیا۔ لیڈی ڈاکٹر مسعودہ خان کی میڈیکل رپورٹ کے مطابق یہ ثابت ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ مجرمانہ زیادتی کی گئی ہے۔ تحقیق کے بعد بی۔ ایس۔ ایف کے چار جوانوں کو معطل کر دیا گیا۔ لیکن اس کے بعد کوئی ایکشن نہیں ہوا

ظفر شاہ نے بہت مایوسانہ انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے بتایا کہ غریب جاہل کشمیری سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ کورٹ مارشل کے سامنے ہو کر شہادت دے اور اس کی کیا ذمہ داری ہے۔ کہ مظلوم لڑکی کے ساتھ ویسا ہی پھر سلوک نہ ہو گا۔ لوگ اس لئے بھی کتراتے

ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ کشمیریوں میں یہ تمام کاروائی خوف و ہراس پھیلانے کے لئے کی جا رہی ہے تا کہ وہ اپنے مطالبہ حق خودارادیت سے دست بردار ہو جائیں۔ لیکن ان تمام واقعات کے پیش نظر جو لوگ بھارت کے معمولی مخالف تھے۔ اب دل سے اس سے نفرت کرنے لگے ہیں اور جذباتی پریشانی کا شکار شخص جب لڑتا ہے۔ تو انتقامانہ جذبے سے مغلوب ہوتا ہے۔

بچوں پر تشدد

یو۔ این۔ او کے ایک ریزولیشن کے تحت دنیا بھر کے بچوں کے حقوق کی حفاظت کی ضمانت دی گئی ہے۔ دنیا بھر کے مہذب معاشرے اور مذاہب میں بچوں پر رحم و شفقت کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ کیونکہ انہیں خطہ زمین پر انسانیت کا وارث سمجھا جاتا ہے۔ لیکن مقبوضہ کشمیر میں قابض بھارتی فوجی راکھشس جو دردناک اور وحشت ناک سلوک ان پھول جیسے نازک بچوں کے ساتھ کر رہے ہیں۔ ان پر انسانی ضمیر کا خاموش رہنا بھی ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ چھ سے چودہ سال کی عمر تک کے تقریباً ڈیڑھ ہزار کشمیری بچے بھارت کی نیم فوجی دستوں کی چیرہ دستیوں اور تشدد کا شکار ہو چکے ہیں۔ بچوں کے ہاتھ پاؤں جوڈو کراٹے کے ماہر بھارتی نیم دستوں کے کمانڈوز نے توڑ دیئے ہیں۔ ان کے اجسام کو سگریٹ کے بٹوں سے داغا گیا ہے۔ اور ان میں سے بہت ساروں کے ساتھ بدفعلی کی گئی ہے۔ یہ داستان اتنی شرمناک ہے کہ جموں سے شائع ہونے والے اخبار "کشمیر ٹائمز" میں بلراج پوری نے جو جموں کے دانشوروں میں سے ہیں۔ ایک مضمون میں انہیں

شرمناک اور افسوس ناک قرار دیا ہے۔

خوراک اور ادویات کی کمی کے باعث شرح اموات میں اضافہ

کشمیریوں کی تاریخ مزاحمت کو کچلنے کے لئے انسانی حقوق کی پامالی کی ایک اور مثال یہ ہے۔ کہ خوراک اور ادویات اور خاص طور پر زندگی بچانے والی ادویات کی سپلائی بند کر دی گئی ہے۔ جسکی وجہ سے بوڑھے بچے اور عورتیں دوائیاں نہ ملنے کی وجہ سے موت کا شکار ہو رہے ہیں۔ حالات اس قدر تشویش ناک ہیں کہ کشمیر کی شہری آزادی کونسل کے اعداد و شمار کے مطابق زنانہ اور بچوں کے ہسپتالوں میں شرح اموات ۳۲ فیصد تک پہنچ گئی ہے۔ بین الاقوامی اعداد و شمار کے مطابق بچوں کی شرح اموات پچھلے سال سے اب تک سب سے زیادہ مقبوضہ جموں و کشمیر میں ہے۔ زندگی بچانے والی دوائیاں نایاب ہیں۔ اور ڈاکٹروں کی ہسپتالوں میں بہت کمی ہے۔ کرفیو کی وجہ سے ڈاکٹر ہسپتالوں میں حاضر نہیں ہو سکتے۔ کرفیو پاس ہونے کے باوجود اُن کی پٹائی کی جاتی ہے۔ اور ڈیوٹی پر جانے نہیں دیا جاتا۔

لل دید زنانہ ہسپتال میں حاملہ عورتوں کی شرح اموات میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ دوائی اور آپریشن کا کوئی معقول انتظام نہیں۔ آکسیجن کی کمی اور تربیت یافتہ ڈاکٹروں، نرسوں اور خدمت گاروں کی عدم موجودگی بہت بڑا مسئلہ بن چکی ہے۔ افراتفری کا عالم ہے ملٹری فورسز کے جوان لیبر روم تک میں داخل ہو کر درندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کام کرنے والی نرسوں کو مار پیٹ کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ سری نگر کے ایس ایم ایچ ہسپتال میں بھی حالت تشویشناک

ہے۔ زخمیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ ڈاکٹروں اور ادویات کی کمی کی وجہ سے شرح اموات غیر معمولی بڑھ گئی ہے۔ ہسپتال بھی درندگی سے محفوظ نہیں۔ ڈاکٹر اور مریض کا رشتہ تقدّس اور خدمت خلق کا رشتہ ہوتا ہے۔ لیکن بھارتی قانون نے مریضوں میں بھی فرق پیدا کر رکھا ہے حریت پسندوں کا علاج اگر ڈاکٹر مریض سمجھ کر کرتے ہیں تو خود تشدد کا شکار ہوتے ہیں۔ اس انسٹی ٹیوٹ کے ڈاکٹر افضل وانی کی فوجی دستوں نے اس لئے پٹائی کی کہ اس نے ایک زخمی حریت پسند کا علاج کیا تھا۔ ایک لیڈی ڈاکٹر کی بھی اس لئے پٹائی کی گئی کہ وہ حریت پسندوں کی مرہم پٹی کیوں کرتی ہے ایک ڈاکٹر محمد سعید کی پٹائی اس لئے کی گئی کہ وہ کرفیو پاس دکھا کر وارڈ میں جانے کے لئے جلدی کر رہا تھا۔ کیونکہ وہاں ایک مریض کی حالت تشویشناک تھی۔ درندگی کا شکار ہونے والے ایک نوجوان غلام نبی کو اسلام آباد سے ایس ایم ایچ ہسپتال سری نگر میں زخمی حالت میں لایا گیا۔ جس کو خون کی سخت ضرورت تھی۔ اس کے ساتھی نوجوان جب خون دینے کے لئے ہسپتال پہنچے تو وہاں پر موجود فوجی دستوں نے اُن کی پٹائی کر دی۔ اور انہیں زخمی کر کے ناکارہ بنا دیا۔ جبکہ مریض خون کی کمی کی وجہ سے مر گیا۔ اُس کی لاش اٹھا کر انہوں نے دریا میں پھینک دی۔ ہسپتال میں موجود ڈاکٹروں نے جب اس پر احتجاج کیا تو اُن کی پٹائی بھی کی گئی۔ جس کے خلاف تمام ڈاکٹروں نے ہڑتال کر دی۔ اسی ہسپتال کے ڈاکٹر گلزار احمد نے ایک عورت کے آپریشن کے دوران فوجی دستوں کی مداخلت اور بدتمیزی پر احتجاج کیا تو اس کی بھی پٹائی کی گئی۔ جس سے ڈاکٹر بے ہوش ہو گیا اور مریضہ مر گئی۔

ایسے ہی کتنے سینکڑوں واقعات ہیں۔ جن سے بھارتی فوجی دستوں کی بہیمانہ کارروائیوں کا اظہار ہوتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کشمیریوں کو زیر کرنے کا وہ ہر حربہ استعمال کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ بھارتیوں کی کشمیر میں وحشیانہ کارروائیوں کے نتیجے میں ہونے والے مختلف جرائم کے اعداد و شمار مندرجہ ذیل ہیں۔

شہدائے کشمیر کی ضلع وار تعداد :۔ سری نگر ۲۳۷۷ ، اسلام آباد (اننت ناگ) ۲۹۳۰ ، پلوامہ ۶۵۰ ، کپواڑہ ۹۶۲ ، بڈگام ۱۰۸۰ ، بارہ مولا ۱۶۴۰ ، جموں ۱۴۲ ، کٹھوعہ ۲۳۱ ، پونچھ ۸۰ ، ڈوڈہ ۳۲ ، راجوری ۲۹ ، اودھم پور ۹ ، لداخ و کرگل ۱۳ ۔

زندہ جلائے گئے کشمیری شہداء :۔ سری نگر ۳۲ ، کپواڑہ ۱۴۸ ، اسلام آباد ۵۹ ، بارہ مولا ۱۳ ، بڈگام ۲۱ ، جموں ۹ ، پلوامہ ۴ ، پونچھ ۸ ، لداخ اور کرگل کے اعداد و شمار نہیں مل سکے ۔

بھارتی فوجیوں کے ہاتھوں عورتوں کی عصمت دری :۔ ضلع سری نگر ۸۵ ، کپواڑہ ۱۷۳ ، بارہ مولا ۳۵ ، اسلام آباد ۲۱ ، پلوامہ ۹ ، پونچھ ۱۶ ، راجوری ۱۰ ۔ یہ وہ کیس ہیں جن کا پتہ چل سکا ورنہ بارڈر ایریے میں ایسے سینکڑوں کیس ہوئے ہیں۔

بھارتی تشدد گاہوں کے شہداء :۔ شہیدوں کی تعداد ۱۳۹۰ مقبوضہ کشمیر میں اس وقت مختلف اذیت گاہیں ہیں۔ جن میں ہزاروں کشمیری تشدد کا نشانہ بن رہے ہیں۔ ان کی قطعی تعداد دستیاب نہیں لیکن محتاط اندازے کے مطابق بیس ہزار سے کم نہیں۔ جن میں سے چار ہزار کے قریب تشدد کی وجہ سے جنسی طور پر ناکارہ ہو چکے ہیں۔


نقشہ کشمیر و ملحقہ ممالک
عارضی خطِ تقسیم
روس
افغانستان
چین
شمالی علاقہ جات
گلگت و بلتستان
پاکستان
سرحد
لداخ
وادیٔ کشمیر
آزاد کشمیر
پونچھ
راجوری
ڈوڈہ
اودھم پور
جموں
کٹھوعہ
چین
پنجاب
ہماچل پردیش
پنجاب
بھارت

جائیدادیں نذرِ آتش :۔ سری نگر ۱۷۳۱ ، اسلام آباد ۴۴۵۳ ، بارہ مولا ۲۴۰۱ ، کپواڑہ ۳۱۱۲ ، پلوامہ ۱۲۸ ، بڈگام ۱۲۸۳ ، لداخ و کرگل ۲۱ ، جموّں ۱۶ ، ڈوڈہ ۔ ۲۱ ، پونچھ ۸۳ ، راجوری ۱۱ ، کٹھوعہ ۲ ، اودھم پور ۷ ۔

بھارت کی مختلف بدنام زمانہ جیلوں میں قید کشمیری حریّت پسندوں کی تعداد ۲۷۰۰ کے قریب ہے ۔

ان اعداد و شمار کے مطابق کشمیر میں بھارتی فوجیوں کے ہاتھوں شہید ہونے والے کشمیریوں کی تعداد ۱۸۷۴۰ ہے اور زندہ جلائے جانے والوں کی تعداد ۱۲۷ ہے اور مویشیوں کے زندہ جلنے والی تعداد بھی دو ہزار سے کم نہیں ۔

اس کے علاوہ ایک اندازے کے مطابق بھارتی فوجیوں کے ہاتھوں مالی طور پر کشمیریوں کو اب تک تین ارب سے زیادہ کا نقصان ہو چکا ہے ۔

ڈوگرہ راج کے بانی مہاراجہ گلاب سنگھ کی وصیّت

ریاست جموّں و کشمیر میں ڈوگرہ راج کے بانی مہاراجہ گلاب سنگھ نے موت سے ایک سال قبل ۱۸۵۶ء میں فارسی زبان (جو اس وقت جموّں و کشمیر کی سرکاری زبان تھی) میں ایک وصیّت نامہ تحریر کروایا تھا جسکے خاص خاص نکات یہ ہیں

۱:۔ میں نے بڑی جد و جہد اور کوششوں کے بعد موجودہ ریاست جموّں و کشمیر قائم کی ہے ۔

۲:۔ میری موت کے بعد میرا بیٹا راجہ رنبیر سنگھ اس ریاست کا حکمران ہو گا ۔

۳:۔ ان کے بعد حکمرانی میری نسل میں نسل در نسل چلے گی ۔

۴:۔ میرا جانشین بلا تمیز مذہب ریاست کے باشندوں کے ساتھ انصاف کرے گا ۔

۵:۔ اگر میرا کوئی جانشین اپنی رعایا پر ظلم کرے تو اس کا حقِ حکمرانی ساقط ہو گا ۔

۶:۔ اگر میری نسل سے کوئی جانشین نہ رہے یا میرے جانشین کا حقِ حکمرانی ساقط ہو جائے تو میری ریاست (جموّں و کشمیر) واپس دربارِ لاہور کے قبضے میں جائے گی ۔——— گلاب سنگھ

مُصنف نے اِس کتاب کے مواد کیلئے خواجہ عبدالصمد وانی کے ہفت روزہ
اخبار "کشمیر" راولپنڈی خواجہ عامر محمد کے ہفت روزہ "آزاد کشمیر" راولپنڈی اور
خواجہ غلام احمد پنڈت کی کتاب "کشمیر آزادی کی دہلیز پر" سے بھرپور استفادہ
کیا ہے۔ جس کیلئے وہ اُن کا شکرگذار ہے۔